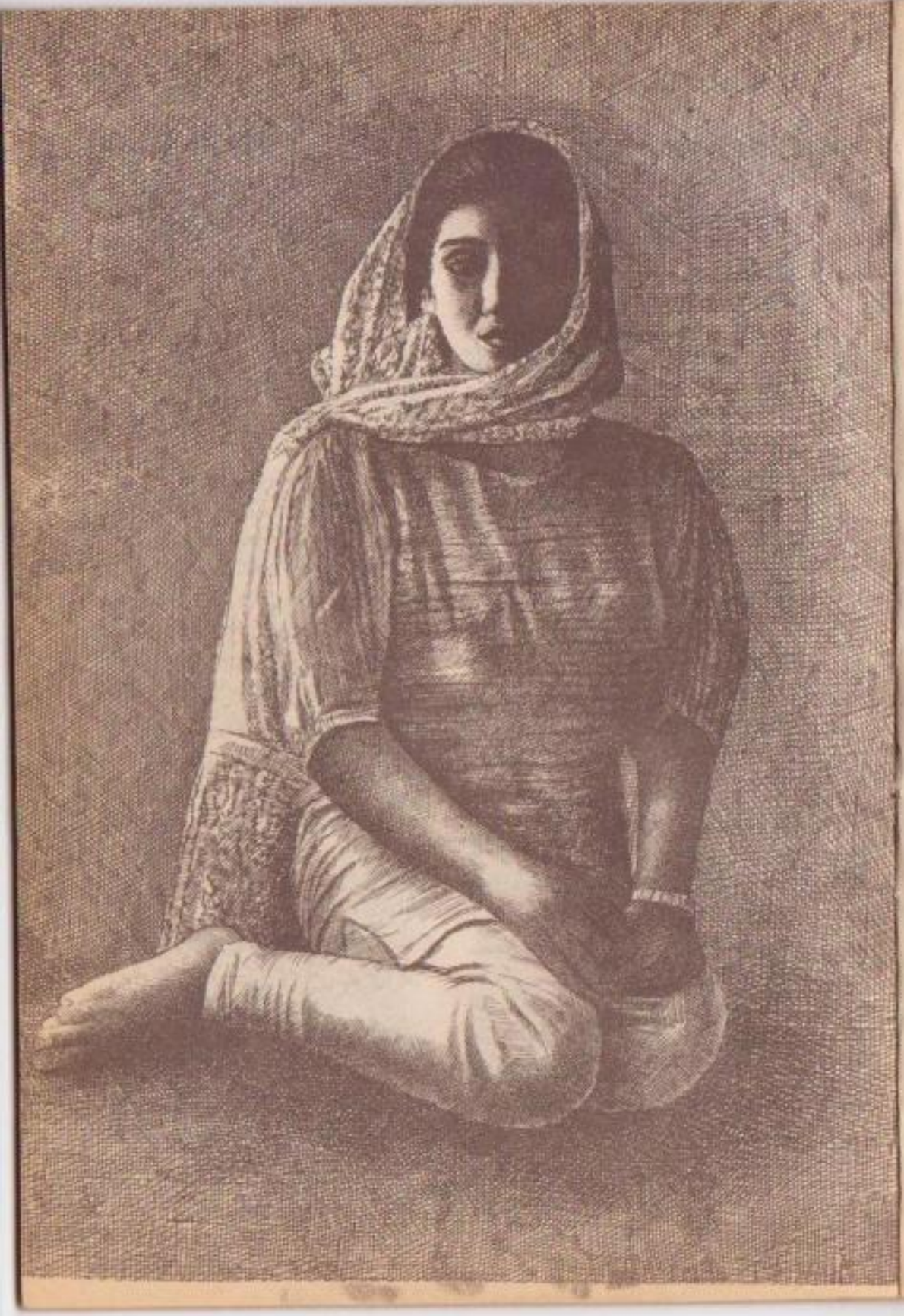

مکمل ناول

میلوں کے مسافر

نمرہ بخاری

"دیکھ یار غازی! میں کسی سیٹھ کی اولاد نہیں ہوں اور تیری یہ بڑی عادت ہے کہ تو اُدھار لے کر بھول جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے آپ کی طرف سے صاف انکار ہے۔" جہانگیر کی بات سن کر غازی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"مجبوری سمجھو ناں میری۔" جہانگیر صاف انکار کرتے ہوئے بھی جھجک رہا تھا۔

"ٹھیک ہے نہیں تو نہ سہی۔ تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔ ہیں تو کہیں نہ کہیں سے یہ رقم مل ہی جائے گی۔" غازی بُرا مانے بغیر اب اس کے بیڈ پر دراز ہو گیا۔

"کیا حال ہے ندیم کا۔ خط فون وغیرہ تو آتے ہی ہوں گے۔"

"بڑے چالاک ہیں جہانگیر بھائی آپ!" غازی بات کا جواب دینے کے بجائے ہنس کر کہہ رہا تھا۔

"کیوں اس میں چالاکی والی کیا بات ہے؟" جہانگیر نے بھنویں اُچکائیں۔

"ہا! کیا تھوپلین برس رہا ہے، اس وقت آپ کے انکار، معافی چاہتا ہوں۔ یونہی سچی بات مُنہ سے نکل گئی۔ کہنا تھا، صرف چہرے پر۔"

"غازی! اگر تم کم بولا کرو تو بندے خاصے معقول ہو۔"

"سچی بات کہے بغیر تو میں رہ نہیں سکتا ناں، اب دیکھیں۔ آپ نے کس خوبصورتی سے باتوں کا رُخ ندیم

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

بھائی کی طرف موڑا ہے۔ مطلب یہ تھا آپ کا کہ تمہارے گھر میں تو باہر کا پیسہ آ رہا ہے۔ جا کر اپنے ماں باپ سے مانگو۔"

"قسم کھا کر کہتا ہوں میرا تو اس طرف دھیان بھی نہیں گیا۔ میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا۔"

"جی ہاں، اکثر کام آپ یونہی معصومیت میں کر جاتے ہیں۔" غازی ہنس پڑا۔ انداز صاف جتانے والا تھا۔ جہانگیر نے اس سے متحارثانا مناسب نہیں سمجھا۔ میز پر رکھی کتابیں دیکھنے لگا۔

"بھائی! کبھی کمرے کی صفائی ہی کر لیا کرو۔ دیکھو تو کتنی گرد ہے یہاں۔" غازی نے بنا اعتراض کیا۔

"یہ حالت تو اس کی خاصی پرانی ہے۔ تمہیں اب دکھائی دی ہے؟" جہانگیر نے اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔

"یہ کمرا خاصا چھوٹا بھی ہے۔ یوں کرو، درمیان کی یہ دیوار گرا دو اور ہمسایوں کا کمرا بھی ساتھ شامل کر لو۔ ہاں ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں بھئی۔ بڑا حق ہوتا ہے ہمسائے پر ہمسائے کا۔ اور اگر انہوں نے کچھ بدتمیزی کی کوشش کی تو مجھے بلا لینا۔ لفظوں کی وہ مار لگاؤں گا کہ اوسان خطا ہو جائیں گے۔"

"غازی! غازی! میں کیا کہوں اب تمہیں۔" جہانگیر نے کتاب دوبارہ میز پر پٹخ دی اور بڑا سا منہ بنا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اب تم دل ہی دل میں دعا کر رہے ہو گے کہ میں جلد ہی یہاں سے چلا جاؤں مگر میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ میں خالہ جان سے ملنے آیا ہوں۔ آپ کے پڑوسی کا بیٹا بتا رہا تھا کہ وہ کہیں گئی ہوئی ہیں۔ اب مجبوری ہے انتظار تو کرنا ہے۔ آپ ایسا کریں ایک کپ چائے بنا کر لائیں میرے لیے۔"

"پہلے یہ بتاؤ۔ تمہیں امی سے کیا کام ہے؟"

"مجھے تمہاری امی سے کوئی کام نہیں ہے بھئی! بلکہ تمہاری امی کو مجھ سے کام ہے۔"

"انہیں بھلا کیا کام ہو سکتا ہے؟" جہانگیر مشکوک تھا۔

"تمہارے دادا حضور محترم اور امی حضور کے درمیان کئی سال سے ایک کھچڑی سی پک رہی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں یہ کھچڑی پلاؤ میں تبدیل ہو جائے۔"

"غازی کے بچے! تمہیں ہمارے خاندانی معاملات میں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"مجھے کون سا شوق ہے، وہ تو خالہ جان مجبور کرتی ہیں ورنہ کس کا آنا جگر ہے کہ تمہارے دادا محترم کی طویل طویل گفتگو سنے، وہ بھی بالکل بور اور بے تکی۔"

"خیر تم سے زیادہ تو ہرگز نہیں بولتے دادا ابا۔"

"اوہو! بڑی محنت آ رہی ہے دادا کی۔ ابھی میں جو خالہ کو بتا دوں تو میرے سامنے ہی محترم کی وہ کھنچائی ہو گی کہ میں تا زندگی سوچ سوچ کر ہنسا کروں گا۔"

"دیکھو مجھے کچھ پڑھنا بھی ہے۔ تم اب جاؤ۔" جہانگیر نے مصالحت اختیار کی۔

"کب تک پڑھو گے۔ اب بس کرو اور گھر بسانے کی سوچو۔ کہو تو میں تمہارے لیے لڑکی تلاش کروں؟"

"مجھے گھر بسانا ہے۔ اجاڑنا تو نہیں۔ جو تمہاری بتائی لڑکی بیاہ لاؤں۔"

"نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ یہ باجی ہیمنو اور شاہد بھائی کی شادی بھی تو میں نے ہی کروائی تھی۔"

"ہاں، اچھی طرح یاد ہے مجھے۔ کیسے کیسے چکر چلائے تھے تم نے۔ ہیمنو کی منگنی تو بچپن سے ہی اپنے تایا زاد سے ہو چکی تھی مگر تم نے ختم کروائی اور شاہد سے شادی کروا کر دم لیا۔ اور اب شاہد بھائی بھی پچھتاتے ہیں۔ ہیمنو بھی خوش نہیں۔"

"یہ تو ان کی عقل کا فتور ہے، اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔ ہونہہ، کیسے منتیں کیا کرتے تھے میری کہ ہماری مدد کرو شادی کروا دو۔"

"کیوں تم رشتے کروانے والی مائی ہو؟" جہانگیر نے بدلہ لیا۔

"آپ نے شاید رشتے کروانے والی مائیاں دیکھی نہیں۔ اگر وہ میری طرح بھولی اور پیاری صورت کی مالک ہوں تو ہر گلی میں پھر مائی کی ہی شادی ہو رہی ہو گی۔ لڑکیاں تو کنواریاں مر جائیں گی۔"

"بھولی صورت اور تمہاری؟" جہانگیر بے ساختہ ہنسا۔

"چلو، تو مانتے ہیں ناں کہ پیاری صورت ہے۔" غازی جوش میں آ کر بیٹھ گیا۔

"صرف صورت کا کیا اچار ڈالنا ہے۔ تم تو بول بول کر کھانے والی کا بھیجہ کھا لو گے۔"

"اچھا تمہارے ہاں صورتوں کا اچار بھی ڈالا جاتا ہے۔" غازی اس جگہ پر اٹک گیا۔

"میں ہاتھ جوڑتا ہوں اس وقت دفع ہو جاؤ۔ سچ صبح سے بچوں کو پڑھا پڑھا کر تھک گیا ہوں۔ تمہاری بکواس سننے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔"

"میرا خیال ہے، خالہ آ گئی ہیں۔" آوازوں سے غازی نے یہی اندازہ لگایا اور جہانگیر کی بیٹھک سے نکل کر اندر صحن میں چلا گیا اور جہانگیر نے ایک بار پھر کتاب کھول لی۔

"پھر غازی تم گئے تھے میرے سسر کے گھر؟"

"جی خالہ! میں گیا تھا۔ اس وقت دادا ابا تیم کے پیر تلے اپنی کھاٹ ڈالے لیٹے تھے۔ قریب ہی ایک پلیٹ رکھی تھی، جس میں لال لال آلو بخارے تھے۔ میں نے جونہی آلو بخارے دیکھے میرے منہ میں پانی بھر آیا مگر ذرا دیکھیں تو ان کی کنجوسی، مجھے ایک بار بھی کھانے کو نہیں کہا بلکہ ایک بار جب غیر ارادی طور پر میرا ہاتھ پلیٹ کی جانب بڑھ گیا تو پلیٹ ہی اٹھا کر دوسری طرف رکھ دی۔ غصہ تو مجھے بڑا آیا مگر مجبوری تھی۔ آپ کے حکم کے مطابق سن گن لے کر آنا تھا۔ سو صبر و ضبط کیے بیٹھا رہا۔"

"تم دفع کرو ان آلو بخاروں کو۔ میں تمہیں آم کھلاتی ہوں۔" خالہ کو جانے کی جلدی تھی۔

"اچھا! یہ تو بتاؤ، بات کیا ہوئی؟"

"بات کیا ہونی تھی۔ انہیں آلو بخاروں سے فرصت نہیں مل رہی تھی۔ بس یہی اندازہ ہوا ہے کہ دادا گڑھی شاہو والا مکان بیچنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور زیب النساء بھی شاید چند روز کے بعد دادا سے ملنے آ رہی ہے۔"

"ہوں یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔ دیکھو غازی بیٹا! اس بات کی خبر تمہارے خالو کو ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔"

"لو خالو کو اپنی خبر نہیں، زیب النساء کی کیا ہو گی۔" مجازی خدا کے لیے یہ مذاق انہیں پسند نہیں آیا۔ گھور کر غازی کو دیکھا تو بولا۔

"میرا مطلب ہے اللہ لوک ٹائپ کے ہیں وہ تو۔"

"اور بیٹے میں تو کہتی ہوں جہانگیر سے بھی ابھی ذکر نہ ہی کرو۔"

"جی بالکل ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" غازی نے روانی میں کہا پھر فوراً ہی بولا۔

"خالہ! یہ دیوار پر کس چیز کی بیل چڑھا رکھی ہے؟"

"لو میں آتنی اہم بات کر رہی ہوں اور تم بیلیں دیکھ رہے ہو۔" وہ ناراض ہو گئیں۔

"چلیں، اب نہیں دیکھتا بیلیں۔ بتائیں کیا کیا شاندار منصوبے بنا رکھے ہیں آپ نے؟"

"ہاں، اس میں کیا شک ہے۔ بہت سوچ سمجھ کے چل رہی ہوں میں۔ بھئی اب دیکھو ناں۔ رشتے کے سُتے ہوتے ہیں مگر ایک زمانے سے کتنی خدمت کی ہے میں نے اُن کی۔"

"ایں یہ کون سا زمانہ تھا اور میں کہاں تھا اس وقت خالہ؟" غازی نے پلکیں زور زور سے جھپکائیں۔

"تم بات پوری کبھی مت سننا ضرور بولنا درمیان میں۔"

"اوہو اب نہیں بولتا۔ ہاں کہیے۔"

"کہنا کیا ہے بس یہ چاہتی ہوں، وہ جائیداد تقسیم کرتے ہوئے ہمیں ضرور یاد رکھیں اور دیکھو۔ بچپن سے ہی زیبا اور جہانگیر کی بات طے ہے۔ تمہاری زیبا کی ماں زندہ تھی۔ اب جہانگیر کا پھوپھا مگر کہہ رہا ہے کہ جی وہ تو ہنسی مذاق میں ایک بات ہوئی تھی۔ ہم نہیں کریں گے اپنی بیٹی کی یہاں پر شادی۔"

"ویسے خالہ! خود جہانگیر بھائی بھی یہی کہتے ہیں کہ باقاعدہ رشتہ نہیں ہوا۔ صرف یونہی بزرگوں میں بات ہوئی تھی اور اب جب زیب النساء کے نانا یعنی دادا آلو بخارے ہی آپ سے راضی نہیں تو ان کا داماد خاک رشتہ دے گا بیٹی کا۔"

"میرا نام بھی خیر النساء ہے، دیکھ لینا سب کچھ اپنی مرضی کے مطابق کروا لوں گی۔"

"خیر النساء، یہ نام کس نے رکھا تھا؟" غازی نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔ وہ شاید کوئی منصوبہ ترتیب دے رہی تھیں۔ اس کی بات سنی نہیں۔ وہ سلام کر

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کے ایک مرتبہ پھر بیٹھک میں چلا آیا۔ جہاں پر جہانگیر ابھی تک کتاب کھولے بیٹھا تھا۔

"زیب النساء کیسی لگتی ہے؟" غازی نے اندر داخل ہوتے ہی دھپ سے ہاتھ اس کی کمر پر مار کر سوال کیا۔

"جیسا تو گمتا ہے۔ ویسی ہی وہ لگی ہے۔" جہانگیر نے جواب آیا۔

"یعنی بہت پیاری۔ گڈ ویری گڈ!"

"جی نہیں۔ بُری بہت بُری۔"

"کیوں وجہ نہیں بتائیں گے آپ؟" غازی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"اس لیے کہ وہ ایک بدمزاج لڑکی ہے۔" جہانگیر نے ان دیکھی لڑکی پر الزام لگایا۔

"بدمزاج آپ بھی ہیں۔"

"ہاں تو میں نے کب کسی کو کہا کہ مجھے کوئی پسند کرے۔"

"ٹھیک، بالکل ٹھیک۔ اب چلتا ہوں پھر آؤں گا۔" گلی میں کیا تو بچوں نے اسے دیکھتے ہی غازی بھائی مل گئے کا نعرہ بلند کیا۔

"تو میں گم کب ہوا تھا؟" وہ ان کے قریب آکر مسکراتے ہوئے بولا۔

"پتا ہے۔ آپ کے ابا آگئے ہیں اور آپ کی امی نے ہمیں کہا تھا آپ جہاں کہیں بھی نظر آئیں۔ آپ سے کہا جائے کہ فوراً گھر پہنچو۔"

"اوہ آج تو بڑے ضروری کام تھے مجھے۔ چلو خیر ابا حضور کی آمد کی خاصی خوشی کا باعث ہے۔" وہ سر ہلا کر گھر کی طرف چل پڑا۔

"غازی! کہاں گئے تھے تم صبح سے۔ گلی کے بچے تمہاری تلاش میں دو تین بار کہہ چکے ہیں میں نے۔" گھر میں داخل ہوا تو امی دیکھتے ہی گویا ہوئیں۔

"سنا ہے ابا حضور گھر تشریف لے آئے ہیں والدہ محترمہ؟"

"ہاں آگئے ہیں تمہارے ابا۔"

"کتنے دن کی چھٹی پر آئے ہیں؟" غازی پوچھا۔

"[illegible]" امی نے [illegible]

"آپ تو بڑی خوش ہوں گی ہے ناں!"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ کیا تم خوش نہیں ہو؟"

"میری خوشی کو چھوڑیں۔ پتا نہیں کب تک قیام رہے گا ابا جی کا۔" آخری فقرہ ہونے سے کہا۔ امی سن نہیں سکیں۔ وہ کمرے میں چلا آیا۔ اس کے پلنگ پر ابا جی سو رہے تھے۔ سو واپس آنا پڑا۔

"وہ تو سو رہے ہیں۔"

"ہاں تو لمبے سفر سے آئے ہیں۔ تھک گئے ہوں گے۔ آپ نے بھی آج ہی کپڑے دھونے تھے اتنے عرصے کے بعد شوہر گھر آیا ہے اور آپ کپڑے دھو رہی ہیں۔" اس نے افسوس کا اظہار کیا۔ امی نے گھور کر اسے دیکھا پھر بولیں۔

"جس بات سے مطلب نہ ہو۔ اس میں مت دخل دیا کرو۔ چلو اندر چل کر بیٹھو۔ میں کھانا نکالتی ہوں تمہارے لیے۔"

"امی جی! مجھے کچھ پیسے چاہیے تھے۔ سچ بڑی سخت ضرورت ہے۔" لہجہ اچانک عاجزانہ ہو گیا۔

"پیسے!" امی بھی چوکس دکھائی دینے لگیں۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا کپڑا زور سے پٹخ کر پھر بولیں۔

"خوب جانتی ہوں تمہاری ضرورتوں کو۔ کان کھول کر سن لو نہ تو ہمارے پچھواڑے میں خزانہ دفن ہے اور نہ ہی تمہارے ابا کوئی وزیر لگے ہوئے ہیں۔ معمولی سے سرکاری ملازم ہیں۔ گھر سے دور نوکری کی وجہ سے پڑے ہوئے ہیں۔ محنت کی کمائی گھر لاتے ہیں اور تم ہو کہ قدر ہی نہیں۔"

"امی! وہ جو ندیم بھائی، کرین والے ہیں اور جو آپ کے نام پر بڑے بڑے ڈرافٹ بھیجتے ہیں وہ۔"

"وہ بھی محنت کی کمائی ہے۔ تمہارے فضول کاموں میں ہرگز استعمال نہیں ہوگی۔" امی نے اتنا کہہ کر دھلے کپڑوں کی بالٹی اٹھائی اور چل پڑیں۔

امی بڑی کفایت شعار واقع ہوئی تھیں جب گھر کا خرچ ابا کی معمولی تنخواہ پر چلتا تھا تب بھی انہوں نے ہمیشہ سوچ سمجھ کر اور سلیقے سے خرچ کیا اور اب جب بیٹا وطن سے دور کما رہا تھا تب بھی دولت نے انہیں حواس باختہ نہیں کیا۔ بیٹے کی کمائی کو فضول خرچیوں میں نہیں اڑایا۔ وہ اب بھی سوچ سمجھ کر اور ضرورت کے مطابق خرچ کرتی تھیں۔ کپڑے

الگنی پر ڈال کر آئیں تو بھی غازی وہیں کھڑا تھا۔

"امی! کچھ تو خیال کریں آخر میں آپ کا لاڈلا چھوٹا بیٹا ہوں۔" اس نے یاد دلایا۔

"ہاں لاڈلے چھوٹے ہو جبھی تو اتنی من مانیاں کرتے ہو۔"

"توبہ امی کب کی ہے من مانی۔ جہاں آپ نے مُرغے کو کہا۔ میں مُرغا جو کھلایا کھا لیا۔ جو پہنایا پہن لیا۔ اچھی امی دے دیں ناں پیسے۔"

"اچھا کتنے چاہئیں؟" وہ کچھ سوچ کر بولیں۔

"پانچ چھ سو تو ہونے چاہئیں۔"

"پانچ چھ سو۔ پتا ہے جب میری شادی ہوئی تمہارے ابا کی تنخواہ کیا تھی اُس وقت۔"

"مجھے کیا پتا میں تو بعد کی پیداوار ہوں۔ آپ دونوں کی جائز اولاد۔" آخری فقرہ بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہا امی نے سُنا نہیں۔

"صرف دو سو روپے مل سکتے ہیں۔"

"اچھا چلیں دو سو ہی دے دیں۔" وہ بھی مان گیا۔

"مگر آج نہیں کل ملیں گے۔"

"او ہو!" وہ بے مزا سا ہو کر اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد امی کھانا ٹرے میں رکھے چلی آئیں۔

"غازی۔ او غازی! اٹھو کھانا کھا لو ایسے کیوں پڑا ہوا ہے میرے بچے۔" اسے پیر نیچے لٹکا کر اور سر تکیے پر رکھے آدھے لیٹے اور آدھے بیٹھے دیکھ کر وہ کہے بغیر نہیں رہ سکیں۔

"تو پھر کیا کروں؟" اس نے بازو چہرے کے آگے کر رکھا تھا۔ ہاں تک بس ناراض سی آواز ہی آئی تھی۔

"کچھ پڑھنے لکھنے کی طرف دھیان دو! نہیں تو بھائی کے پاس ملک سے باہر چلے جاؤ۔"

"نہ مجھ سے نہیں برداشت ہوتیں دُوریاں۔"

"اچھا تو پھر پڑھتا کیوں نہیں؟"

"کتنی مرتبہ تو بتایا ہے امی! رزلٹ آئے گا تو ہی کچھ کرنے کے بارے میں سوچوں گا۔ ویسے یہ تو پتا ہے مجھے۔ پاس ہو یا رہ جاؤ فائدہ کوئی نہیں۔ یہ اپنے جہانگیر بھائی کو ہی دیکھ لیں۔ تین مرتبہ ایلے کیا ہے۔ سمجھتی ہیں ناں۔ ایم اے اور وہ بھی تین تین مرتبہ نوکری نہیں ملی۔"

"مگر دیکھ لو پھر بھی ہمت نہیں ہاری۔ خود بھی کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا ہے اور محلے کے اتنے سارے لڑکوں کو بھی پڑھاتا ہے۔ یہ تعلیم کا ہی فیض ہے کہ فضول کاموں میں نہیں پڑا۔ اپنے وقت کو اچھے طریقے سے استعمال کر رہا ہے۔ یہ نہیں کہ تمہاری طرح ہر دوسرے روز پیسے مانگنے اور ضد کرنے بیٹھ جائے۔"

"امی! اگر اللہ میاں آپ کو چھ سات اولادیں دے دیتا تو آپ یقیناً سوتیلی ماؤں سے بھی بڑھ کر ثابت ہوتیں۔ یہاں اب صرف میں ہوں آپ کے پاس۔ آپ کا چھوٹا بچہ مگر پھر بھی مجال ہے جو کبھی میری کوئی فرمائش پوری کی ہو آپ نے۔"

"میں اُن ماؤں میں سے نہیں ہوں جو لاڈ پیار سے اولاد کا ستیاناس مار دیتی ہیں۔ یہ پکڑو کھانا کھاؤ اور آرام کرو۔ پتا نہیں سارا دن کہاں پھرتے رہتے ہو۔"

"صرف جہانگیر بھائی کی طرف گیا تھا۔ یقین نہیں تو پڑوس کے کسی بچے کو ان کے ہاں بھیج کر معلوم کروا لیں۔"

"اچھا اچھا زیادہ طنز مت کرو۔ اتنا تو یقین ہے تم پر۔"

"شکر میرے اللہ۔" اس نے اُٹھ کر اوپر دیکھتے ہوئے شکر ادا کیا پھر ماں کے ہاتھ سے ٹرے لے لی۔

ابا جی دو روز یہاں رہے اور یہ دو دن غازی نے گھر پر ہی گزارے۔ ابا سے سامنے بٹھا کر کوئی نہ کوئی قصہ سنانے لگتے تھے اور وہ قصہ اکثر شیطان کی آنت ثابت ہوتا تھا۔ محلے کے کئی بچے اور بڑی بوڑھیاں تو اس کی خیریت دریافت کرنے گھر تک آگئیں کہ دو روز ہوئے دکھائی نہیں دیا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی۔

"صاحبزادے لگتا ہے سارا وقت گلی محلے میں ہی پھرتے پھراتے رہتے ہو۔" ان لوگوں کی آمد سے ابا کا ماتھا ٹھنکا۔

"نہیں نہیں ابا جی! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اصل میں میں نے محلے میں خدمتِ خلق کی ایک

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

چھوٹی سی جماعت بنا رکھی ہے۔ ہم لوگوں کے گھروں میں جا کر پوچھتے ہیں کہ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔"

"ہوں۔" ابا کچھ متاثر نظر آنے لگے پھر بولے "کتنے لڑکے ہیں تمہارے ساتھ؟"

اب غازی نے سوچا کہیں ابا باقاعدہ تفتیش کا پروگرام تو نہیں بنا رہے۔ سو سر جھکا کر کہہ دیا۔

"فی الحال تو میں اکیلا ہوں۔ جبھی تو سارے ضرورت مند چلے آ رہے ہیں۔"

"غازی بیٹے! میرے تینوں بچوں میں تم بچپن سے ہی نہایت چلبلے اور کچھ ضدی واقع ہوئے ہو۔ ندیم اور بانو کی طرف سے تو مجھے فکر نہیں رہی مگر تمہارا دھیان رستا ہے اور یہ دھیان بھی ہو دونوں سے چھوٹا بچہ لاڈ پیار میں اکثر بگڑ جاتا ہے۔ میں تم سے کہنا چاہتا ہوں، جیسے اُن دونوں بچوں نے کبھی مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا اسی طرح میں تم سے بھی چاہوں گا کہ مجھے تمہاری طرف سے کوئی ایسی ویسی بات نہ سننی پڑے۔"

"ابا جی! آپ فکر ہی نہ کریں۔ ضد تو کبھی بچپن میں کی ہوگی۔ اب تو ایک بات کو دو تین مرتبہ دُہرا بھی لوں تو امی ڈانٹنے لگتی ہیں اور اس کے علاوہ طبیعت میں خاصی سنجیدگی بھی آ گئی ہے۔"

"بہت اچھی بات ہے۔ اب تم بڑے بھی تو ہو گئے ہو۔ بانو اپنے گھر کی ہو گئی۔ ندیم کی بات ہم نے اپنے دوست کی صاحبزادی سے طے کر رکھی ہے۔ باقی رہ گئے تم۔ تمہاری تعلیم مکمل ہو جائے بس، تمہارے لیے بھی ڈھونڈتے ہیں کوئی نیک شریف گھرانہ۔"

"ابا جی! ابھی سے ایسی باتیں مت سوچیں۔ تعلیم کے بعد سروس فوراً تو نہیں مل جائے گی ناں۔" یہ بات سنتے ہی غازی فکر مند ہو گیا تھا۔

"مل جائے گی سروس بھی اللہ پر بھروسا رکھو۔" مارے گئے۔ کہیں ابا میاں کسی دوست کی صاحبزادی کو دھیان میں رکھ کر تو نہیں بیٹھے۔ ہائے میں تو روئے دھوئے سر پیٹ کر ہی رہ جاؤں گا مگر شہنا کا کیا ہوگا۔ وہ تو رو رو کر مر جائے گی۔ اور اس کی بددعا میں میری زندگی کو جہنم بنا دیں گی۔ پہلے ہی اُسے میری وفا، میری محبت پر اعتبار نہیں پھر تو یکا یقین ہو جائے گا۔ جھولی اٹھا کر بددعائیں دے گی۔ کوئی پتا نہیں اپنے نانا سے کوئی تعویذ ہی لکھوا لے جس کے نتیجے میں اندھا ہو جاؤں۔ بس اس سے آگے نہیں سوچا گیا۔ جھرجھری سی آ گئی اور یہ دعا مانگ کر کہ ابا کی اس دوست سے (جن کی صاحبزادی سے رشتہ متوقع تھا) لڑائی ہو جائے وہ امی کے پاس کچن میں چلا آیا۔

"کیا بات ہے بڑے خاموش دکھائی دے رہے ہو اور چہرا بھی سنجیدہ ہو رہا ہے۔" پریشانی یقیناً چہرے سے ہویدا تھی جو امی دیکھتے ہی بولیں۔

"اوہ! نہیں امی ایسی تو کوئی بات نہیں۔ بس وہ میں سوچ رہا تھا۔ آپ نے ندیم بھائی کا رشتہ اپنی مرضی سے کیا اور بانو باجی کی شادی بھی خود ہی کر دی۔ آپ سے تو کبھی پوچھا ہی نہیں۔"

"تم اس بات پر پریشان ہو، میں نہیں مانتی۔" امی ہنس پڑیں۔

"پریشان کب ہوں۔ بس سوچ رہا تھا کہ ابا نے ایسا کیوں کیا آپ کے ساتھ۔"

"تمہارے ابا بہت عقل والے ہیں اور مجھ سے زیادہ دُنیا دیکھ رکھی ہے انہوں نے۔ اُن کے فیصلے درست ہوتے ہیں۔ دیکھ لو۔ بانو بھی اللہ کے فضل سے اپنے گھر میں خوش ہے اور ندیم کی منگیتر، اوہ تو اتنی پیاری اور نیک بچی ہے کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ اچھا تم کیا باتیں لے بیٹھے۔ میری ہنڈیا لگتے لگتے بچی ہے۔" وہ چولہے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"امی کیا پکا رہی ہیں آج؟"

"تمہارے ابا کو چنے کی دال گوشت پسند ہے، وہی بنا رہی ہوں۔ اور ساتھ میں بھنڈیاں بھی پکانی ہیں۔ تم ایسا کرو۔ وہ اُدھر میں نے بھنڈیاں رکھی ہیں دھو کر ذرا کاٹنا شروع کرو۔"

"امی!" اس نے احتجاج کیا۔

"ہاں ابھی باپ پر تو بڑے اعتراض ہو رہے تھے۔ اب اپنا کام دیکھ لو۔ ذرا خیال نہیں کہ ماں اکیلی لگی ہے۔ تھوڑا کام کروا دو گے تو شان نہیں گھٹ جائے گی تمہاری۔"

"امی! اتنے تو کام کرتا ہوں مگر یہ بھنڈیاں۔ اس میں آنا لیس ہوتا ہے گھبراہٹ ہوتی ہے مجھے۔"

"ہاں بس اب بوڑھی ہو گئی ہوں نہ زیادہ کام نہیں ہوتا۔ جب تک بانو یہاں رہی وہی کرتی تھی۔ اب اپنے گھر کی ہو گئی ہے تو اس گھر میں لڑکی کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔"

اب غازی نے سوچا کہیں امی بھی اس کی شادی کا پروگرام نہ بنا بیٹھیں کہ ندیم کی دُلہن تو ندیم کے پاس چلی جائے گی۔ چلو جی پہلے غازی کو بیاہیں اور گھر میں لڑکی لائیں۔ جبکہ شہنا کے سلسلے میں ابھی وہ اللہ کے سوا کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ پہلا مسئلہ تو شہنا کے نانا حضور کے دل میں اپنی شرافت اور متانت کی دھاک بٹھانا تھا۔ اور یہ کام خاصا مشکل اور طویل تھا۔ سو غازی صاحب امی کو اس خیال سے باز رکھنے کے لیے فوراً بھنڈیاں کاٹنے پر راضی ہو گئے۔

ابا ادھر آئے تو اسے اس کام میں مصروف دیکھ کر نہال سے ہو گئے۔ فرمایا۔

"مجھے وہ مرد بالکل بھی پسند نہیں جو گھر میں خواتین کا ذرا بھی ہاتھ نہیں بٹاتے حالانکہ ایسا کرنے سے مردانگی پر تو کوئی حرف نہیں آتا مگر چھوٹی انا انہیں روکتی ہے۔ بھئی بیگم خوش ہوتی یہ دیکھ کر کہ بچے کو تمہارا بہت خیال ہے۔"

مگر اُن کی یہ خوشی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ غازی اس کام میں اناڑی تھا۔ جلد ہی انگلی کٹ گئی اور یہ کام اب امی کو خود ہی کرنا پڑا۔

اِدھر ابا چھٹی گزار کر روانہ ہوئے اور اُدھر غازی نے بھی جہانگیر کے گھر کی راہ لی۔ جہانگیر تو اپنی مخصوص جگہ یعنی بیٹھک میں لڑکوں کو پڑھاتا ہوا پایا گیا۔ ہاں اس کی امی آج معمول کے مطابق بشاش بشاش نہیں تھیں۔ سر میں درد کی وجہ سے دوپٹا باندھ رکھا تھا اور برآمدے میں چارپائی ڈالے لیٹی تھیں۔ ہاں غازی کی آمد نے ان کی طبیعت پر خوشگوار اثر ڈالا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"کہاں تھے تم غازی، میں تو منتظر ہی رہی۔"

جواب میں غازی نے اپنی مجبوری سے آگاہ کیا اور وعدہ کیا کہ آج دادا کی طرف ضرور جائے گا۔

"ویسے میرا مشورہ ہے کہ آپ پیار و محبت، خدمت و نفرت کے ساتھ ساتھ تعویذ بھی کروائیں تو بہتر رہے گا۔"

"تعویذ؟" وہ چونکیں۔

"ہاں ہاں پچھلے محلے میں ایک نانا جی۔ ہم۔ میرا مطلب ہے ایک بزرگوار رہتے ہیں۔ نام ہے ان کا عبدالحکیم۔ نہایت ہی نیک اور خدا ترس بندے ہیں آپ، کہیں تو میں اُن سے آپ کو تعویذ لکھوا کر لا دوں۔"

"اے وہ حکیم عبدالحکیم صاحب جن کی ایک خوبصورت سی نواسی ہے اور ایک نواسہ ہے۔ یہی کوئی دس بارہ برس کا۔ دونوں بچے انہی کے پاس رہتے ہیں جبکہ داماد ان کی بیٹی کی وفات کے بعد دوسری شادی کر چکا ہے۔ سنا ہے شاہدرے میں ہوتا ہے۔"

"جی تفصیلات درست ہیں بس اتنا مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایک عدد خوبصورت نواسی بھی رکھتے ہیں۔" غازی نے پورے اعتماد سے جھوٹ بولا۔

"اے ناں بھئی، وہ تو بڑے نیک اور سادہ سی طبیعت کے مالک ہیں۔ اُن سے اس کام کے لیے تعویذ مانگو گے تو ڈانٹ کے رکھ دیں گے۔ ویسے غازی تم نے بات پتے کی کہی۔ میں آج ہی کسی سے پتا کرواتی ہوں کسی منجھے ہوئے عامل یا پیر کا۔"

"آپ کہاں ماری ماری پھریں گی۔ میں خود ہی آپ کو لا دوں گا تعویذ۔"

"اللہ تم کو خوش رکھے۔ میرے بڑے کام آتے ہو تم۔"

وہ جب دادا ابا کے مکان کے دروازے پر پہنچا تو خلافِ معمول دروازے کی کنڈی لگی ہوئی تھی۔ دستک دیتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔ یقیناً زیبا بی بی پہنچ گئی ہیں ورنہ دادا کے گھر کے دروازے چوبیس گھنٹے کھلے ہی ملتے ہیں۔

تین بار دستک کے جواب میں ایک نسوانی سی آواز اُبھری۔

"کون؟"

"لو کون تو یوں کہا ہے جیسے سارے شہر سے واقف

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

ہیں" غازی نے منہ بنایا پھر ادب سے کہا۔
"میں ہوں خاتون، غازی۔ مہربانی فرما کر دروازہ کھولیے۔"
اور خاتون نے سوچا یقیناً کوئی عزیز ہی ہوں گے ہمارے جو اتنے اعتماد سے نام بتایا اور دروازہ کھولنے کو کہہ رہے ہیں۔
دروازہ کھل گیا۔ اب غازی کے سامنے ایک بھرپور ترنگی کھڑی تھی اور بڑے اعتماد کے ساتھ سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی مگر جوں ہی غازی نے اس کی آنکھوں کی جانب دیکھا، تاب نہ لاکر محترمہ کو نظر جھکانی پڑی۔
"کس سے ملنا ہے آپ کو؟"
"اس گھر میں دادا ابا کے علاوہ کس سے ملا جا سکتا ہے؟"
"وہ آپ کے دادا ابا کیسے ہو گئے؟"
"کیوں آپ نے اپنے نانا اپنے نام الاٹ کر رکھے ہیں وہ اب کسی اور کے کچھ نہیں ہو سکتے۔"
"کہیں آپ جہانگیر تو نہیں؟" اس نے دائیں ہاتھ کی انگلی سے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اس نے پہلے سوچا کہہ دے کہ وہی ہوں پھر خیال آیا ممکن ہے محترمہ انہیں پسند نہ کرتی ہوں اور ان کے دھوکے میں اس کی عزت افزائی فرما دی۔ سو نفی میں سر ہلا دیا اور کہا غازی نام ہے۔
"کیا کام ہے نانا سے؟" لڑکی کو شاید حرج کی عادت تھی۔
"پچھلے دنوں جو خزانہ ہم دونوں نے مل کر تلاش کیا تھا۔ اس میں سے اپنا حصہ لینے آیا ہوں۔" غازی اس کے سوال پر بگڑ کر بولا۔ اسے بھی اندازہ ہو گیا۔ منہ بنا کر پیچھے ہٹ گئی۔
راستہ ملتے ہی وہ اندر چلا آیا۔ کھلے آنگن میں ایک جانب درختوں کی قطار تھی اور دادا آج بھی تیم تلے کھاٹ ڈالے آلو بخارے کھا رہے تھے۔
"بائیس دو روز کے بعد آیا ہوں۔ ابھی تک ختم نہیں ہوئے؟" غازی نے آنکھیں پھیلائیں۔ دادا اس مذاق پر خوب ہنسے پھر فرمایا۔
"وہ تو اسی روز ختم ہو گئے تھے۔ یہ اور منگوائے ہیں۔ نہایت لذیذ ترو تازہ اور رس بھرے ہیں۔"
ان تعریفوں پر اس نے دھیان نہیں دیا۔ کیا فائدہ کون سا انہوں نے ایک آدھ اسے تھما دینا تھا۔ وہ تو نہایت کنجوس واقع ہوئے تھے۔
"آپ یہاں آلو بخارے چبا رہے ہیں ادھر آپ کے یتیم بھتیجے کے گھر غم کھایا اور آنسو پیے جا رہے ہیں؟"
"ہیں میرا کون سا یتیم بھتیجا ہے؟" وہ حیران ہوئے
"کیوں باقر علی آپ کے بھتیجے نہیں ہوتے کیا؟"
غازی نے جہانگیر کے والد کا نام لیا۔
"ابے نالائق اسے یتیم ہوئے تو تیس سال ہو گئے۔ اس طرح تو پھر تم مجھے بھی یتیم مسکین کہہ سکتے ہو۔"
"آپ بات ٹال رہے ہیں۔ میں بتا رہا تھا ان کے ہاں غم کھایا اور آنسو پیے جا رہے ہیں۔"
"یہاں بھی حالات کچھ اچھے تو نہیں ہیں بیٹا۔" کنجوس دادا نے آہ بھری۔
"کیا ہوا ان کے حالات کو؟" زیب النساء یقیناً رحم دل واقع ہوئی تھیں۔
"آپ مہنگائی کا دور تو دیکھ ہی رہی ہیں۔ اور ان کے ہاں کوئی کمانے والا بھی نہیں۔"
"خوب بہت خوب۔ وہ جو باقر علی زمینداری کرتا ہے وہ کس کھاتے میں ہے؟" دادا بول اٹھے۔
"زمینداری کی بھی خوب کہی۔ ارے اُن کی زمین تو اتنی ہی ہے کہ اگر سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ایک سرے سے چلنا شروع کرو تو دوسری کرن نکلنے سے پہلے آپ زمین کے اس ٹکڑے کے دوسری طرف ہوں گے۔ جہانگیر بھائی بڑے لائق فائق انسان ہیں۔ ایلے پرائم لے کیے چلے جا رہے ہیں۔ اب شاید مقابلے کے امتحان کی بھی تیاری ہے بس چند سالوں کی بات ہے پھر تو خاندان کے سبھی لوگ ان کے آگے پیچھے ہوا کریں گے۔"
"تو ہوا کریں، ہمیں کیا؟" دادا نے شانے اچکائے۔
"ارے! آپ بھی کتنے معصوم، کس قدر بھولے بھالے ہیں۔ دادا ذرا ایک لمحے کے لیے سوچیں تو سہی میں کیا ٹور ہو گی۔ پھر آپ کی؟"

"ہم نہیں سوچتے بیکار کی باتیں۔" انہوں نے صاف انکار کر دیا اور آلو بخارے کھانے لگے۔
"آپ کے لیے چائے لاؤں؟" لڑکی مہمان نواز تھی۔
"جی۔ مگر چائے آج سے پہلے میں نے اس گھر میں دیکھی نہیں۔"
وہ سمجھی ہی نہیں مگر دادا فوراً بول اٹھے۔
"رہنے دو زیب النساء بیٹی! یہ غازی تو گھر کا بچہ ہے۔ دن میں جانے کتنے چکر لگا لیتا ہے۔ ہماری طرف اب گر تم نے چائے پلانی شروع کر دی تو لے گرگی ہو جائے گی۔"
لڑکی اب کیا کہتی بزرگ کی بات پر خاموش ہو کر بیٹھ گئی اور غازی اجازت لے کر اٹھ کھڑا ہوا مگر جاتے جاتے یہ ضرور کہہ گیا کہ وہ دن دور نہیں جب جہانگیر ایک اعلا عہدے پر فائز ہو گا اور رشتہ دار اس پر فخر کریں گے۔ آگے پیچھے پھریں گے اس کے۔

یہاں سے اٹھا تو رُخ دوسرے محلے میں رہنے والے حکیم عبدالحکیم کے گھر کا تھا۔
دروازہ دوسری دستک پر کھلا اور کھولنے والی شہناز ہی تھی۔ اسے دیکھ کر کچھ شرمائی کچھ گھبرائی اور پیچھے ہٹ گئی۔
"ہیلو شنی! کیسی ہو؟" غازی نے پُرشوق انداز میں اسے دیکھتے ہوئے شریر سے انداز میں کہا۔
"میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے۔ یہ شنی اور شنو مت کہا کریں۔ جو نام ہے وہی لیا کریں۔"
"او ہو ایک تو تم پیار کے انداز بھی نہیں سمجھتیں۔"
"خدارا ایسی باتیں مت کیا کریں۔" اب تو شہناز کا رنگ مارے شرم کے لال ہو گیا۔
"اے بڑی گلابیاں چھلک رہی ہیں۔ کیا ہر وقت مجھے ہی سوچتی رہتی ہو؟"
"غازی صاحب! کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟" اس نے رُخ ہی پھیر لیا۔
"ارے بھئی میں تم سے ملنے آتا ہوں، دل کی باتیں کرنا چاہتا ہوں مگر تم، تم تو شاید یہ چاہتی ہو کہ میں یہاں آتے ہی نماز کی نیت باندھ لیا کروں اور سلام پھیرنے کے بعد گھر کی راہ لوں۔"
"نانا جی کو لاتی ہوں۔" وہ اس کی باتوں سے گھبرا کر بولی۔
"مل لیں گے نانا جی سے بھی۔ پہلے اُن کی نواسی سے تو باتیں کر لیں۔ دیدار کر لیں آنکھیں چار کر لیں۔" اب شہناز سر پر لی چادر کا کونہ مروڑنے لگی۔
"اور ذرا ادھر تو دیکھو! مجھے تو آج تک یہی پتا نہیں چل سکا کہ تمہاری آنکھوں کا رنگ کیسا ہے۔"
"کیا کریں گے پتا کر کے؟" وہ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔
"بس ان پر گیت لکھوں گا۔"
"غازی! ایسی باتیں مت کیا کریں۔ آپ کو نہیں پتا، وہ اسے سامنے پا کر ہمیشہ کی طرح حواس باختہ سی ہو رہی تھی۔
"کیا نہیں پتا مجھے؟" غازی کو ستانے میں مزا آ رہا تھا۔
"بس کچھ نہیں۔" اب وہ بے بسی سے ہنس پڑی۔
"شہناز بیٹی! کون آیا ہے؟"
"لو ہو گئی تمہارے نانا کو خبر۔ ایک تو ان کے کان بڑے تیز ہیں۔" غازی ٹھنڈی آہ بھر کر کرسی پر آ بیٹھا۔ شہناز باہر چلی گئی۔ واپس آئی تو نانا ساتھ تھے۔ اُن کی نظر کافی کمزور تھی۔ بڑھاپے کے باعث ہاتھوں میں رعشہ بھی تھا۔ شہناز یا اس کا چھوٹا بھائی سہارا دے کر ہی انہیں بیٹھک تک لایا کرتے تھے۔ غازی نے اُٹھ کر ادب سے سلام کیا اور پھر کرسی میں بچھے تخت پر بٹھانے میں مدد دی۔
"کیسے آئے غازی بیٹا اور تم ٹھیک تو رہے۔ بڑے دنوں کے بعد دکھائی دے رہے ہو۔"
"جی بس نانا جان! آ نہیں سکا۔" وہ سر جھکائے اور آنکھیں بہت ہی نیچی کیے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "عبدالحکیم صاحب حکیم بھی تھے۔ جب تک نظر ٹھیک رہی یہ کام کرتے رہے مگر اب صرف اُن لوگوں نسخے زبانی بتا دیا کرتے تھے جو مشورہ کرنے آتے تھے۔ اب غازی صاحب گھبرا کر مدد طلب نظروں سے شہناز کی طرف دیکھ رہے تھے کہ بالکل یاد نہیں تھا کہ کس پیٹ کے لیے کس بیماری کی دوا تجویز کرنے کو کہا تھا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"نانا! آپ اُسی بچے کی بات کر رہے ہیں جسے بخار تھا؟" شہنا نے مدد کی۔

"ہاں ہاں۔ اُسی کے لیے تو آیا تھا غازی!"

"جی نانا ابا مجھے یاد ہے اب تو وہ بچہ بالکل ٹھیک ہے۔"

یہ سُن کر وہ بہت خوش ہوئے اور مسکرا کر سر ہلایا۔ پھر شہنا سے بولے۔

"جاؤ مہمان کے لیے پانی ہی لے آؤ۔"

"نہیں نہیں۔ یہ تکلیف رہنے دیں۔" غازی نے کہا۔

مگر شہنا نے یہ بات سُنی ان سنی کر دی۔ جب اس کے قریب سے گزری تو اس نے ہاتھوں آگے کر دیا۔ گرتے گرتے بچی۔ مُنہ سے ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی۔

"کیا ہوا بچی؟" نانا نے اتنا ہی دیکھا کہ وہ شاید گرنے لگی تھی۔ صاف تو بے چارے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ غازی نے ہاتھ پکڑ کر بظاہر اسے گرنے سے بچایا اور بولا۔

"دھیان سے چلا کریں ابھی مجھ پر گر پڑتیں۔" پھر نانا کو مخاطب کیا۔ "یہ ذرا میز سے ٹکرا گئی تھیں۔" شہنا ہاتھ چھوڑ کر اندر بھاگ گئی۔

"نانا جی! ایک خاتون کے لیے دعا کرانا تھی آپ سے۔"

"ہاں ہاں ضرور میری دعائیں سب کے لیے ہیں۔"

"نانا جی! وہ خاتون بڑی لاچار ہیں۔ آپ دعا کریں اُن کا لاچ ختم ہو جائے۔"

"کیا نام ہے خاتون کا؟"

"نام رہنے دیں، پردہ دار خاتون ہیں۔ بس آپ دعا کر دیا کریں اور ان کے ایک بچے کا گلا بھی خراب رہتا ہے — دوا تجویز کر دیں۔"

ساتھ ہی غازی نے کچھ رقم جیب سے نکال کر ان کے تخت پر رکھ دی۔

"یہ کیا کر رہے ہو بیٹے؟"

"کچھ نہیں نانا کچھ پیسے ہیں نسخہ تیار کرنے کے۔"

"بیٹا تم جب بھی کسی کے لیے نسخہ تجویز کرواتے ہو تو کچھ نہ کچھ دے جاتے ہو۔ تو نانا اپنے بچے سے تھوڑی دیتا ہوں۔ یہ تو وہی لوگ دے کر بھیجتے ہیں۔"

"کمال ہے بھئی، جو خود ہمارے پاس آتے ہیں انہوں نے تو کبھی نسخہ پوچھ کر پیسے نہیں دیے۔ یہ تم کن لوگوں کے پاس جاتے ہو؟" نانا خوش دلی سے ہنس کر کہہ رہے تھے۔ مگر وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

اس کی نظر اس وقت ان کے بوڑھے کمزور مگر پُرسکون اور پُرنور چہرے پر تھی۔ اُن کا لباس کئی جگہ سے پھٹا ہوا مگر سلیقے سے سلا ہوا اور صاف ستھرا تھا۔ یہ کمرا جہاں صرف چارپائیاں ایک میز اور ایک تخت رکھا تھا۔ یہ فرنیچر بہت پرانا اور بدرنگ تھا۔ مگر مٹی کا ایک ذرہ بھی کسی چیز پر دکھائی نہیں دیتا تھا اور شہنا اُس کے پاس شاید دو یا تین جوڑے تھے مگر غازی جب بھی یہاں آیا اُس نے اس لڑکی کو صاف ستھرا اور نکھرا نکھرا ہی دیکھا۔

کتنے قناعت پسند ہیں یہ لوگ اور اس محلے میں رہنے والے بھی جانتے ہیں کہ کتنے خوددار ہیں مگر لوگوں کی کمینگی، مفت میں نسخے لے جائیں گے، دُعا کروانے آتے رہیں گے مگر کبھی اتنا نہیں ہوا کہ ان کی آتی مہربانیوں کے بدلے تھوڑا معاوضہ دے کر ان کی عزتِ نفس کو مجروح کیے بغیر مدد کر دی جائے۔ یہ ضعیف مرد جس نے اس مکان کے دو حصے کر کے ایک کرائے پر دے رکھا تھا۔ یہ اس مہنگائی کے دور میں کیا کرتا ہوگا۔ کیسے ہیں ہم لوگ۔ فضول میں لاکھوں اُڑا دیں گے مگر ضرورتمند کے پاس جائیں گے تو کوشش یہی ہوگی کہ مفت میں ہی کام نکل گئے۔

"غازی بیٹے! کہاں گم ہو؟"

"کہیں نہیں نانا جان میں تو یہیں بیٹھا ہوں۔"

"اچھا بیٹا! معافی چاہتا ہوں، نماز کا وقت ہو گیا ہے۔"

"جی ٹھیک ہے۔ آئیے میں آپ کو آپ کے کمرے تک چھوڑ آؤں۔"

"ہاں ذرا سہارا دو۔ مہربانی ہوگی۔"

"مہربانی کیسی نانا میں تو آپ کی خدمت کو سعادت سمجھتا ہوں اور نانا آپ مجھے بھی یاسر کی طرح ہی سمجھیں جب کبھی کسی بھی سلسلے میں میری ضرورت پڑے — بلا جھجک بلوا لیجیے گا۔"

"بیٹھے رہو بیٹے!"

نانا کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر آیا تو شہنا کو چٹک میں چائے کے ساتھ اپنا منتظر پایا۔ وہ خاصی ناراض دکھائی دے رہی تھی۔

"میں نے تو چائے بنانے کو نہیں کہا تھا۔ تم خود ہی گئی تھیں۔" اس نے ناراضگی کا بظاہر یہ مطلب لیا۔

"میں اس لیے خفا نہیں ہوں۔ بھئی غازی صاحب! آپ بڑے ہی بدتمیز ہیں۔" اب غازی اپنا قہقہہ روک نہیں سکا۔

"کیا ہو گیا ہے۔ آہستہ ہنسیں۔" وہ گھبرا گئی۔

"واہ واہ! اس قدر عزت کے ساتھ کی گئی بے عزتی۔" وہ ہنسے جا رہا تھا۔

"بس میں آپ سے نہیں بولتی۔ آپ کو ذرا بھی احساس نہیں۔ اگر میں گر جاتی تو۔"

"کوشش تو میری یہی تھی مگر تم سنبھل گئیں۔"

"خرم نہیں آتی آپ کو۔" غازی نے بھرپور سی نظر اس پر ڈال کر نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ منہ پھلا کر چلی گئی۔ غازی نے بلایا بھی مگر نہیں آئی۔

جب وہ چائے پی کر شہنا کے گھر سے نکلا تو سامنے سے شہنا کا چھوٹا بھائی یاسر مسجد سے نماز پڑھ کر گھر واپس آ رہا تھا۔

"السلام علیکم غازی بھائی!" اسے دیکھ کر اس نے خوشدلی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ بھئی کیا کہنے۔ آپ تو بڑے نیک ہوتے جا رہے ہیں۔" اس نے یاسر کے سر سے نماز کی ٹوپی اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔

"آپ بھی کبھی نماز پڑھ لیا کریں، پتا ہے نانا ابا کیا کہتے ہیں۔"

"کیا کہتے ہیں؟" غازی نے اشتیاق سے پوچھا۔

"وہ کہتے ہیں جب اللہ نے ہمیں اتنی نعمتیں دی ہیں تو ہم پر فرض ہے کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کریں۔"

"اوہ لگتا ہے نانا نے شاید میرے بارے میں کوئی ارشاد فرمایا ہے۔" اسے خاصی مایوسی ہوئی۔

رات کو امی تو سو گئیں مگر وہ دیر تک اپنے کمرے کی الماری کھولے کوئی اچھا سا کاغذ تلاش کرتا رہا کہ اُسے جہانگیر کی امی کے لیے ایک عدد تعویذ تیار کرنا تھا۔ آخر بڑی کوششوں کے بعد اسے ہلکے سبز رنگ کا صاف کاغذ مل گیا۔

ہوں اب اس پر اگر سرخ بال پوائنٹ سے عبارت لکھی جائے تو دیکھنے میں بھی اچھی لگے گی اور خراب بھی نہیں ہوگی مگر عبارت کیا ہونی چاہیے۔

وہ کاغذ قلم لے کر بستر پر آ بیٹھا اور کچھ ہی دیر بعد عربی اردو اور انگلش کے لفظ ملا کر ایک بے ربط سی عبارت لکھ رہا تھا۔

"جہانگیر بھائی۔ اوجانو!" غازی نے گلی میں کھلنے والے دروازے سے چٹک میں جھانکتے ہوئے اسے بلایا۔

"یہ جانو وانو مجھے مت کہا کرو سیدھا نام لیا کرو۔"

"ہاں جب سیدھا نام لیا تھا تب بولے نہیں اب جب جانو کہا ہے تو کیسے تڑپ کر متوجہ ہوئے ہو۔" غازی اب اندر آ گیا۔

"تم یقیناً امی سے ملنے آئے ہو گے ناں۔"

"نہیں آپ کہو تو آپ کے پاس بھی گھنٹہ دو گھنٹے بیٹھ سکتا ہوں۔"

"تم کوئی کام کیوں نہیں کرتے؟"

"یہ عمر سنتے کھیلنے کی ہے پھر ساری عمر مجھے کام ہی کرنے ہیں۔ بس رزلٹ آ جائے پھر آپ سب اہلِ محلہ مجھے ایک بدلا ہوا غازی پائیں گے۔"

"اچھا یہ بتاؤ، آئے کیا کرنے ہو؟" جہانگیر اس کی بات پر مسکرا کر بولا۔

"خفیہ مشن ہے۔ بتا نہیں سکتا۔"

"ذلیل تم میری امی کو لائے سیدھے مشورے دے کر چل پڑتے ہو اور وہ عمل کرنے کی ٹھان لیتی ہیں۔"

"تم یقین کرو جانو بھائی اور میرا مطلب ہے بھائی۔" اس کے گھورنے پر اس نے فوراً تصحیح کی پھر بولا۔ "اگر میں خالہ جی کو مشورے دینے چھوڑ دوں تو پھر وہ کسی اور کو رازدار بنا لیں گی اور بڑا نقصان اٹھائیں گی۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اُن کی ہمدردی میں ہی کر رہا ہوں۔"

"تمہاری ہمدردیاں ویسے اکثر لوگوں کو مہنگی ہی پڑتی ہیں۔"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"یہ تو وقت بتائے گا۔ فی الحال آپ یہ بتاؤ خالہ گھر پر ہیں؟"

"ہاں ابھی ابھی کہیں سے آئی ہیں اور کھانا شانا شروع کیا ہے۔ پلیز زیادہ وقت نہیں لینا۔ مجھے بڑی بھوک لگ رہی ہے۔"

"بس میں یوں گیا اور یوں آیا۔" وہ اُٹھ کر کچن میں چلا آیا۔

"او ہو! بڑی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔ کیا پکا رہی ہیں خالہ؟"۔۔۔

"ارے غازی ڈرا رہی دیا یوں اچانک آ کر۔ آؤ بیٹھو۔" وہ بھی جھٹ بیٹھ گیا اور بولا۔

"خالو زمینوں سے واپس آئے یا نہیں؟"

"کوئی نہیں۔ مہینہ بھر ہونے کو ہے۔ دیکھو لو واپسی کا کوئی خیال ہی نہیں۔"

پھر اشارے سے غازی کو اپنے قریب بلایا اور رازداری سے بولیں۔

"مجھے تو لگتا ہے انہوں نے وہاں گاؤں میں بھی شادی کر رکھی ہے۔"

"نہیں خالہ! اپنے خالو ایسے لگتے تو نہیں۔ آپ یونہی وہموں میں نہ پڑیں۔" اُس نے تسلی دینا چاہی۔

مگر خالہ کو شاید شک ہی نہیں یقین تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر اپنی قسمت کو کوستی رہیں۔ پھر اچانک کچھ یاد آیا۔

"غازی! تم نے ایک کام کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"کون سا کام؟"

"ارے پیر یا عامل تلاش کرنا تھا تم کو میرے لیے۔"

"آ۔ ہاں۔ میں نے صرف پیر صاحب تلاش ہی نہیں کیے بلکہ اُن سے ایک عدد تعویذ بھی لکھوا کر لایا ہوں۔ وہ آتے ہی آپ کو پریشان دیکھا تو سب کچھ بھول بھال گیا۔"

"جیتے رہو بچے! تمہیں میرا کتنا خیال ہے۔ لاؤ کہاں ہے تعویذ؟"۔۔۔

تب غازی نے جھٹ وہ پرزہ کاغذ جیب سے نکال کر انہیں تھمایا۔ انہوں نے عقیدت سے تھام کر پہلے آنکھوں سے لگایا، چوما اور پھر اُٹھ کر الماری کے تاک سے اونچے خانے میں رکھ دیا۔

"کیا فرمایا تھا پیر صاحب نے۔ کس طرح استعمال کرنا ہے؟"

"یہ پوچھا تھا میں نے، کہہ رہے تھے اسے دودھ میں سلوا کر کسی اونچی جگہ پر رکھ دیں اور پھر اثر دیکھیں۔"

"اور کچھ نذرانہ وغیرہ بھی تو لیا ہوگا؟" وہ دوپٹے کے کونے سے پیسے کھولنے لگی۔

"نہیں نہیں۔ وہ میرے دوست کے نانا ہوتے ہیں۔ نذرانہ نہیں لیا مجھ سے۔"

"یہ تو غلط بات ہے۔ تمہیں خود دے کر آنا چاہیے تھا۔"

"جب ملنے ہی نہیں تو کیسے دیتا۔ الٹا انہوں نے کمال شفقت سے مجھے مروندا عطا فرمایا ہے کہتے ہی میرا گلا خراب ہو گیا۔ ساری رات کھانستا رہا ہوں۔"

"اچھا ہے۔ اس سے پھیپھڑوں کی ورزش ہوتی ہے۔ بزرگ ہر عمل سوچ سمجھ کر ہی کیا کرتے ہیں۔ اس کھانسی سے پریشان نہ ہو تم۔"

"میں پریشان تو نہیں ہوں۔ اس کھانسی کو تبرک سمجھتا ہوں۔"

"اچھا غازی تم اگر میرے سسر صاحب کی طرف جاؤ تو زیبا سے بھی بات کرنے کی کوشش کرنا اور ذرا اندازہ تو لگانا کہ جہانگیر کے بارے میں اُس کی رائے کیا ہے؟"

"خالہ! اُس کی رائے جاننے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تو ایسی چال چلیں گے کہ اُس کا دل ہو م جہانگیر کی ہی صدائیں دیا کرے گا۔"

"ہاں پیر صاحب نے تعویذ دے دیا ہے۔ اب تسلی تو مجھے بھی بہت ہو گئی ہے۔ یہ تو بتاؤ زیبا ہے کیسی؟"۔۔۔

"سیرت کا تو ابھی اندازہ نہیں ہوا ہاں صورت میں اچھی ہیں۔"

"چلو یہ بھی اچھا ہے میرے جہانگیر کو پھر یہ گلہ تو نہیں رہے گا کہ اماں نے دولت کی خاطر بھٹیارن پلے باندھ دی ہے۔ ویسے مجھے اندازہ تھا کہ ہو گی تو پیاری ہی۔ دو مہینے کی تھی جب میں نے اسے دیکھا تھا۔ اُس وقت بھی بالکل شہزادی لگتی تھی۔"

"ہیں دو مہینے کی تھی جب دیکھا تھا۔ پھر رشتہ کب

کیا آپ نے جہانگیر بھائی سے؟"

"او ہو بھئی اُسی وقت شمشاد مرحومہ سے کہہ دیا تھا کہ یہ بچی تو میرے جہانگیر کی امانت ہے۔ جہانگیر اُن دنوں پانچ برس کا تھا اور بھئی میرا بچہ بھی شروع سے پیارا ہے۔ ائے اس پورے محلے میں ہے کوئی میرے بچے جیسا خوبصورت؟"

"آہم خالہ آپ میرے منہ پر ایسی بات نہ کریں۔ کہ آخر میں بھی اسی محلے میں رہتا ہوں اور ہر ماں کی طرح میری ماں بھی یہی کہتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نازینوں و نرہرا جینوں کی مائے بھی میری امی والی ہے۔"

"یہ نازنین اور نرہرا جینین کون ہیں؟" خالہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

غازی کو ان کی یہ ٹوہ میں رہنے والی عادت سخت بُری لگتی تھی۔ گہری سانس لے کر بولا۔

"نازنین میری رشتے کی خالہ ہیں جبکہ زہرہ آنٹی امی کے ممیرے بھائی کی بیگم ہیں۔"

یہ سن کر خالہ خاصی بدمزا ہوئیں اور بولیں۔

"چلتے پھرتے ہو گے؟"

"کیا بچ گئی ہے؟"

"ہیں، کیا میں تمہیں بچی ہوئی چائے پلاؤں گی۔"

وہ ہنس پڑا اور پھر اُنے کا کہہ کر چلا آیا۔

بیٹھک میں جھانکا۔ اس وقت جہانگیر چند لڑکوں کو پڑھا رہا تھا۔ سو کوئی بات کیے بغیر غازی کو واپسی کی راہ لینی پڑی۔

"غازی بھائی! آپ کی امی نے کہا ہے کہ آپ جہاں بھی نظر آئیں آپ کو فوراً گھر بھیج دیا جائے۔"

"او ہو ایک تو امی آج کل میرے بغیر بہت جلد اداس ہو جاتی ہیں۔" بچے کی بات سن کر گھر کی طرف چل پڑا۔

"کہاں تھے تم؟" گھر میں داخل ہوا ہی تھا کہ امی نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"یہیں تھا مگر آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"ابھی کچھ ہی دیر پہلے ملک صاحب کے ہاں تمہارے ابا کا فون آیا تھا۔ بتا رہے تھے۔ نجم (ندیم کی منگیتر) کی دادی وفات پا گئی ہیں۔ اب مجھے اور تمہارے ابا کو خانیوال جانا ہے۔ تمہارا انتظار تھا کہ تم مجھے سٹیشن پر چھوڑ آؤ۔"

"او ہو دادی فوت ہو گئی ہیں۔ آہ، حسرت اُن غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے۔"

امی مطلب نہیں سمجھیں، چہرے پر دکھ اور افسوس کا تاثر گہرا ہو گیا اور بولیں۔

"پچھلے دنوں بیمار ہو گئی تھیں مگر یہ تو خیال بھی نہیں تھا کہ دُنیا سے منہ موڑ لیں گی۔ بہت ہی اچھی نیک اور ہمدرد خاتون تھیں۔ میں تو جب بھی ملی بہت متاثر ہوئی ان کی شخصیت سے۔"

"امی! کہیں آپ میرے لیے انہیں منتخب کرنے کا تو نہیں سوچ رہی تھیں کہ بھوپ میں بھی تو آپ کو ایسی ہی خوبیاں چاہئیں۔"

اب امی کو پتا چلا غازی تو بالکل سنجیدہ نہیں ہے۔ اس بگواس پر حسب توفیق ڈانٹ پلائی۔ ساتھ ساتھ سامان بھی اکٹھا کرتی رہیں اور دو گھنٹے بعد وہ دونوں سٹیشن کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔

"پتا نہیں کیا حال ہو گا بچی کا۔" وہ ٹکٹ لے آیا تو سامان کے قریب امی پریشان سی بیٹھی تھیں۔

"کس بچی کا؟" وہ واقعی نہیں سمجھا۔

"نجمہ کا اور کس کا۔"

"اوہ۔ بھابی! ہاں آپ انہیں تسلی دیجیے گا بلکہ اگر ان کے دادا حیات ہیں تو فکر کی ضرورت ہی نہیں دوسری دادی نوائی جا سکتی ہیں۔"

"غازی۔ غازی اب میں تجھے کیا کہوں۔ تیرے ابا فون پر کہہ رہے تھے۔ اکیلے سفر نہ کرنا۔ غازی کو ساتھ لے لینا مگر میں نے کہا۔ کون سا بہت لمبا سفر ہے۔ میں آ جاؤں گی۔ اور اب سوچ رہی ہوں بہت اچھا فیصلہ کیا ہے میں نے۔ تم کو تو موقع محل دیکھے بغیر بولنا ہوتا ہے۔ کوئی پتا نہیں چلتا تمہارا، ساتھ جاتے تو جانے کیا کیا گل کھلا کر لوٹتے۔"

غازی زبان دانتوں تلے دبائے ان کی ڈانٹ سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوئیں تو بولا۔

"بھابی کو تسلی دیجیے گا اور کہیے گا۔ ہم سب اور خصوصاً ندیم بھائی اُن کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور یہ بھی کہیے گا غازی بہت افسوس کر رہا تھا۔"

UrduPhoto.com

امی نے سکون کا سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا کہ گفتگو بہت زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ عقل والی ضرور تھی۔

"اور ہاں امی یاد سے یہ بھی کہہ دیجیے گا کہ غازی کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ مجھے اب اپنی دادی کی جگہ سمجھو۔"

اب امی نے آتے جاتے لوگوں کا خیال کیے بغیر دو ہاتھ جوان جہان اولاد کو رسید کیے اور بولیں۔

"تم واپس چلے جاؤ۔ گاڑی آئے گی تو میں خود ہی سوار ہو جاؤں گی۔"

"لو، خانیوال کے بجائے کہیں اور پہنچ گئیں تو میں کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔ مجھے یہیں رہنے دیں۔ اتنا غصہ نہ کریں مجھ پر۔ دیکھیں ناں، دادی اتنی تو بوڑھی تھیں۔ اس قدر خوشیاں دیکھ چکی تھیں۔ اب بھی فوت نہ ہوتیں تو پھر کب ہوتیں۔"

غازی امی کو روانہ کر کے گھر آیا تو بھوک سے برا حال تھا۔ یہ دیکھ کر اور بھی حال خراب ہوا کہ امی ہانڈی بھی پکا کر نہیں گئی تھیں۔ کچھ دیر چنوں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا مگر جب کہیں سے بھی کھانے کو کچھ نہیں ملا تو صحن میں کھڑے ہو کر پڑوس والی خالہ کو آواز دے ڈالی۔ فوراً ہی اُن کا سر دیوار کے اوپر نمودار ہوا۔

"خالہ! کیا پکایا ہے آپ نے؟"

"بھنڈیاں، ساتھ میں پودینے کی چٹنی۔"

"خدا کے لیے تھوڑا کھانا مجھے بھی بھیج دیں۔ امی میرا خیال کیے بغیر خانیوال روانہ ہو گئیں۔"

"خانیوال تو تمہارے بھائی کی سسرال ہے۔ اچانک کیوں چلی گئیں خیریت تو تھی ناں؟" تجسس سے خالہ کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور غازی دھوپ میں کھڑا اس وقت کو کوس رہا تھا جب انہیں یہ بات بتائی تھی۔

"جی خیریت ہی ہے۔ وہ بس ذرا بھائی کی دادی..."

"فوت ہو گئی تھیں سے کیا مطلب؟ کیا اب دوبارہ زندہ ہو گئی ہیں؟"

"نہیں ابھی تک تو فوت ہی ہیں۔" اس نے چہرے کا پسینہ رومال سے صاف کیا۔

"کیسے فوت ہوئیں؟" اگلا سوال داغا۔

"بڑی لمبی اور دُکھ بھری داستان ہے۔ بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے۔ دھوپ بھی اتنی تیز ہے۔ ابھی نہیں سنا سکتا۔"

زبان تو اس کے قابو میں تھی نہیں پھر غلط بات نکل گئی اور خالہ نے شاید اسے کھانا پکڑانے کے ساتھ ہی گلی بھر میں اس سانحے کی اطلاع دے دی تھی۔ ابھی وہ کھانا کھا ہی رہا تھا کہ گلی کی عورتیں آنا شروع ہو گئیں۔ جب پہلا دستہ اندر آیا تو وہ سمجھا نہیں اور حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"بڑا افسوس ہوا۔"

"کس بات کا؟" اس کے منہ سے پھسل گیا۔

"اے دادی جان کی وفات کا اور کس بات کا۔" ایک خاتون اس پر حیران ہو کر کہنے لگیں۔

"ہاں آ، ہاں وہ تو بات ہی افسوس والی ہے۔ ظاہر ہے افسوس ہونا تھا۔ خوشی کیسے ہو سکتی ہے۔ میں سمجھا کسی اور بات کے لیے کہہ رہی ہیں۔"

"کیسے فوت ہوئیں؟" پھر سوال ہوا۔

"کھانا تو کھا لینے دیں۔ غم کی شدت سے میرا دل گھٹ رہا ہے۔" چہ چہ بہت سی آوازیں ایک سُر میں نکلیں۔

غازی کھانا کھاتا رہا اور خواتین کی ٹولیاں آتی رہیں۔

"اے کب فوت ہوئیں دادی جان؟" کسی نے رقت کے عالم میں پوچھا۔

غازی نے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا اور بولا۔

"مرتو اسی دن گئی تھیں جس دن دادا کے عقد میں آئی تھیں۔"

"ہائے، لعنت ایسے مرد پر ہے ہماری، اسی لیے تو کہتے ہیں بیٹیوں سے نہیں بیٹیوں کے نصیبوں سے ڈر لگتا ہے۔ اسی لیے ان کی پیدائش پر خوشی نہیں منائی جاتی۔"

"ہاں بھئی، اللہ سب کی بچیوں کے نصیب اچھے کرے۔" خواتین حسب توفیق جملے ادا کر رہی تھیں۔

"غازی بیٹے! مجھے تو ابھی اطلاع ہوئی اور سن کر دوڑی چلی آئی ہوں۔ ماں کدھر ہے تمہاری؟ جہانگیر کی امی بھی آ پہنچی تھیں۔

"وہ تو خانیوال چلی گئیں۔" پڑوسن نے بڑے معتبر بن کر اطلاع دی۔

"ہیں۔ فوراً ہی روانہ ہو گئی۔ پتا نہیں کچھ کھایا پیا بھی یا نہیں۔ اتنا لمبا سفر کیسے کاٹے گی بے چاری کی صحت پہلے ہی کمزور ہے مگر معاملہ بیٹے کی سسرال کا تھا نہ جاتیں تو باتیں بنتیں۔ کہ لو جی آئی نہیں سچ کہتی ہوں۔ سسرالی رشتے ہوتے ہی کینے ہیں۔"

کچھ دیر پہلے جہاں دادی کے گزر جانے پر آنسو بہائے جا رہے تھے، اب وہاں سسرالی رشتوں پر تبصرے ہونے لگے۔ غازی دانستہ کھانا آہستہ کھا رہا تھا اور ان کی گفتگو بغور سن رہا تھا۔ کبھی زیادہ ہی ہنسی آتی تو پانی کا گلاس اٹھا کر منہ کو لگا لیتا۔

"اے بیٹا کتنی دیر اور رکھ دو گے، مجھے گھر بھی جانا ہے۔" ایک خاتون انجان دادی کی کہانی سننے کو بے تاب تھیں، مگر اس ہنڈیا کا بھی خیال تھا جو چولہے پر چڑھا کر آئی تھیں۔

آج پھر تین بار دستک کے جواب میں دروازہ کھلا اور غازی نے اندر آتے ہی کہا۔

"آپ سے مجھے اس بے مروتی کی امید ہرگز نہیں تھی۔"

"کس بے مروتی کی؟" زیبا نے حیران ہو کر اس کی شکل دیکھی۔

"میرے بھائی کی دادی ساس فوت ہو گئیں۔ سارا شہر افسوس کے لیے ہمارے ہاں آیا۔ نہیں آئیں تو ایک آپ نہیں آئیں۔"

"اوہ تو اسی لیے آج آپ اتنے دنوں بعد دکھائی دے رہے ہیں۔ نانا جان روز پوچھتے تھے آپ کا۔"

"ہاہ مجھے کہاں ہوش تھا کہ کہیں آتا جاتا۔ دل میں درد کا ایک طوفان تھا کہ اُمڈا چلا آتا تھا۔"

"اوہ بہت افسوس ہوا اُن کی وفات کا سن کر۔ ویسے وہ آپ کی لگتی کیا تھیں؟"

"لگتا ہے آپ کی یادداشت خاصی کمزور ہے۔ ابھی بتایا تو ہے بھائی کی دادی ساس تھیں مرحومہ۔"

"وہ کیا ہوتا ہے؟" زیبا سمجھی نہیں۔

"آسان سی بات ہے۔ بیوی کی دادی اماں۔" غازی نے جیسے اس کی عقل کا ماتم کیا۔

"اوہ پھر تو واقعی آپ کو دل کی تکلیف ہونا ہی چاہیے تھی۔" زیبا سر ہلا کر چل پڑی۔

"ارے نہیں تو۔" وہ پیچھے چلا آ رہا تھا۔

"سنا دیں میں نے کان بند تھوڑی کر رکھے ہیں۔"

"میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ اپنے نانا جی کو مشورہ دیجیے وہ اپنے اس گھر کے سارے کمرے گرا دیں۔"

"ہیں، مگر کیوں؟" وہ چلتے چلتے رُک گئی اور دو قدم کے فاصلے پر غازی کو بھی رُکنا پڑا۔

"دیکھیں ناں، ریٹن لیسرا تو پیٹروں تلے ہے پھر خوامخواہ کمروں کی اتنی بڑی تعداد کا فائدہ۔ انہیں چاہیے اس جگہ بھی درخت ہی لگا دیں۔" اس نے آج پھر دادا کو درخت کے نیچے کرسی ڈالے دیکھا تو کہہ بیٹھا۔ زیبا کی ہنسی بڑی بے ساختہ تھی۔

"آپ آدمی دلچسپ ہیں۔"

"جہانگیر سے زیادہ نہیں۔" وہ اسے بغور دیکھ کر بولا۔

"آپ کس حد تک جانتے ہیں جہانگیر کو؟" لڑکی اس نام پر شرمائی لجائی نہیں۔ بڑے اعتماد سے اس کا نام لیا اور سوال کیا۔

"اُسے مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے۔ میرا آدمی ہے۔ محنتی، ذہین، خوددار، بذلہ سنج، دلیر اور سچا کھرا۔"

"ماشاء اللہ وہ تو بہت خوبیوں کی ہیں۔"

"نہیں خیر ہر شخص میں کچھ نہ کچھ کمزوری تو ہوتی ہے اور جہانگیر میں بھی ایک خرابی ہے۔ دل کا بہت نرم ہے۔ دشمنوں کی خطائیں بھی معاف کر دیتا ہے اور کئی مرتبہ نقصان اٹھا چکا ہے۔"

"آپ میرے سامنے اتنی تعریفیں کیوں کر رہے ہیں اُن کی؟"

"میں تو ان کی تعریف ہر کسی کے سامنے کرتا ہوں۔ ویسے اُن کی امی بھی بڑا یاد کرتی ہیں آپ کو۔ کیا آپ اُن لوگوں سے ملنے بھی نہیں جائیں گی۔ رشتے دار ہوتے ہیں آپ کے اور پھر رہتے بھی اسی محلے میں۔"

"میں نہیں جا سکتی۔" صاف انکار ہوا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"کیوں؟" غازی نے بظاہر از حد دکھ کے ساتھ اسے دیکھا اور بولا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔ وہ آتما یاد کرتے ہیں اور آپ کو پروا بھی نہیں؟"

"اگر اتنا ہی یاد کرتے ہیں تو ملنے کیوں نہیں آتے؟"

"کون جہانگیر۔ آپ جہانگیر کے لیے ہی کہہ رہی ہیں ناں؟"—

"جی نہیں۔ میں ممانی کی بات کر رہی ہوں۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ وہ بھلا کیسے آئیں۔ آپ کے نانا تو انہیں اپنی گلی میں بھی نہیں گھسنے دیتے میں جب بھی ان کی طرف جاتا ہوں پوچھتی ہیں دادا کی طرف گئے تھے۔ زیبا کیسی ہے۔ تم سے کیا باتیں ہوئیں۔ مجھے یاد بھی کرتی ہے یا نہیں؟"

"لو میں نے جنہیں دیکھا نہیں انہیں یاد کیا کروں گی؟"

دادا نے چہرے کے آگے سے اخبار ہٹا کر غازی اور زیبا کو دیکھا اور آواز دی۔

"سلام دادا! کیسے ہیں آپ؟"

"وعلیکم۔ حال کیا پوچھتے ہو میاں۔ مہنگائی نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔"

"جیسے آپ کو بھی مہنگائی کا گلہ ہے تو پھر ہم جیسے سفید پوش کہاں جائیں گے؟"

"کہو کیسے آنا ہوا؟"

"کتنے ہی یہ سوال مت کیا کریں۔ کبھی کبھی بندہ ویسے ہی ملنے بھی تو آجاتا ہے۔"

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"سنو زیبا بیٹی! سنو تو۔"

مگر زیبا نے نہیں سنا اور کچن میں چلی گئی۔

"یہ لڑکی خامی فضول خرچ ہے۔ جب سے آئی ہے میرے گھر کا بجٹ ہی درہم برہم ہو گیا ہے۔"

"اچھا۔ جیسے پھر تو دشمنوں سے انتقام لینے کا اچھا موقع ہے۔ آپ ان کا بیاہ جہانگیر سے کر دیں۔ تھوڑے دنوں میں وہاں خاقوں کی نوبت آجائے گی۔ جہانگیر کے شادی کر دوں۔ ہونہہ پاگل ہوں میں۔"

دادا! میں نے تو بس مشورہ دیا تھا بس۔"

"تم مشورے نہ ہی دیا کرو۔ سن کر مجھے غصہ آجاتا ہے۔"

"وہ جہانگیر بھائی بڑے پریشان ہیں آپ کے لیے۔ کہتے ہیں بہت برا خواب دیکھے ہے۔"

"چھوڑو ان کی بات۔ ان کی طرف سے میرے لیے کبھی کوئی اچھی بات ہو ہی نہیں سکتی۔"

"نہیں دادا صدقہ دیا ہے انہوں نے۔"

تبھی میں زیبا چائے لے کر آگئی اور دادا اس سے باتیں کرنے لگے۔ زیبا اپنا کپ لے کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تو دادا بولے۔

"تم جب بھی آتے ہو۔ فخری بیگم اور جہانگیر کی بہت تعریفیں کرتے ہو۔ کیا ماہانہ کچھ دیتے ہیں وہ تمہیں؟"—

"جی دادا بالکل دیتے ہیں۔ آپ بھی دینے لگ جائیں تو آپ کی بھی کیا کروں گلا۔" انہوں نے اپنی طرف سے ایک نہایت نپا تلا طنز فرمایا تھا۔ اب ایسے جواب کے بعد غصے میں بڑبڑانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر اندر چلے گئے۔

"پھر آپ چلیں گی اپنے رشتے داروں کی طرف؟"

"نہیں فی الحال میرا ایسا کوئی پروگرام نہیں۔"

"پروگرام بناتے کون سی دیر لگتی ہے ابھی بنا لیں۔"

"آج کل تو طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔ شاید گرمی کا اثر ہے۔"

"اوہ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ کہیں تو دوا لادوں۔"

"نہیں بہت شکریہ۔" وہ اخلاق سے متاثر ہو کر مسکرائی پھر بولی۔

"غازی! آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ سے کچھ زیادہ ملاقات تو نہیں رہی مگر پھر بھی کس قدر اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔"

"کاش آپ یہ بات جہانگیر بھائی کے لیے کہتیں۔ بے چارے کتنے خوش ہوتے۔"

وہ حکیم عبدالحکیم صاحب کی گلی سے گزر رہا تھا۔ اس وقت گلی سنسان تھی۔ ادھر سے وہ اور دوسرے سرے پر یقیناً شہنا چلی آرہی تھی۔ وہ یونیفارم میں تھی۔ چہرا چادر سے چھپا رکھا تھا اور تیز قدم اٹھاتی گھر کی طرف

بڑھ رہی تھی۔

غازی نے راستے میں ہی روک لیا اور بولا۔

"اکیلے اکیلے کہاں سے ہو کر آرہے ہو جی؟"

"کالج سے۔ اب وہاں آپ کو تو نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔" وہ ہنس پڑی۔

"کیسی ہو کبھی نظر ہی نہیں آئیں؟"

"آپ ہماری طرف آتے ہیں۔ میں تو کبھی آپ کے ہاں نہیں گئی۔ آجاتے تو میں بھی نظر آجاتی۔"

"تم نے انتظار کیا تھا؟" غازی کے لہجے میں —— شوق تھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" وہ کترا گئی۔

"یہی تو پوچھنے کی باتیں ہیں۔"

"اوں ہوں جس بات کا علم ہو۔ اُسے پوچھنے سے فائدہ؟"

"تم نہیں جانتیں تمہارے منہ سے اقرار مجھے کتنی خوشی دے گا۔ شہنا سب لوگ کہتے ہیں میں انتہائی غیر سنجیدہ لڑکا ہوں۔ مگر سچ کہتا ہوں تمہارے لیے تو میں مر جانے کی حد تک سنجیدہ ہوں۔"

"غازی صاحب! مجھ سے جو وعدہ کیا ہے ناں اسے آپ ہمیشہ یاد رکھیے گا ورنہ میں۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی اور لب کاٹنے لگی۔

"ارے اتنی محبت تو تمہیں خود سے نہیں ہوگی۔ جتنی میں تم سے کرتا ہوں۔ بس تمہارے نانا میاں سے خطرہ ہے۔ انہیں ہر فرد میں کوئی نہ کوئی معقولیت نظر آجاتی ہے کہیں محبت کے راستے میں دیوار نہ کھڑی کر دیں۔"

"نانا بہت اچھے ہیں۔"

"تو میں نے کب کہا برے ہیں۔ میں تو ان کی علمیت اور اصولوں سے خائف ہوں۔"

"اچھا میں اب چلتی ہوں۔ ہم گلی میں کھڑے ہیں کوئی آگیا تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"کوئی نہیں آتا۔ تم خوامخواہ نہ ڈرتی رہا کرو۔ مگر شہنا نے خدا حافظ کہہ کر قدم آگے بڑھا دیے۔

ابھی وہ اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر تھی کہ سبز دروازے والے گھر کی کھڑکی کھلی اور شہنا کی سہیلی سلمیٰ نے پردہ اٹھا کر باہر جھانکا۔

"شہنا! آجاؤ میری طرف پتلاہے میں نے قیمہ کریلے پکائے ہیں۔"

"لو کریلے بھی کوئی کھانے کی چیز ہیں۔" جواب غازی نے دیا تب سلمیٰ نے ذرا سا آگے ہو کر ادھر دیکھا اور کہا۔ "اچھا تو آپ بھی موجود ہیں۔ تبھی شہنا اتنا گھبرائی ہوئی ہے۔"

"کیوں میں کوئی آوارہ بدتمیز لڑکا ہوں جو پردہ نشین گھبرائیں گے۔" غازی بظاہر برا مان گیا۔

سلمیٰ دل کھول کر ہنسی پھر بولی۔

"تم کیا ہو میں کیوں بتاؤں۔" پھر شہنا کو معنی خیز انداز میں دیکھا اور اس نے چادر مزید چہرے کے آگے کھینچ لی۔

"دیکھ کے محترمہ آگے نالی ہے۔ ایسا نہ ہو گر پڑیں اور جن سے چہرا چھپایا جا رہا ہے انہیں ہی آگے بڑھ کے اٹھانا پڑے۔ کیوں سلمیٰ باجی۔"

سلمیٰ پہلے تو اس کے ساتھ مل کر ہنس پڑی پھر یکدم سے سنجیدہ ہو کر بولی۔

"شہنا بہت نیک اور شریف لڑکی ہے۔ تم اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا۔"

"میں بھی تو نیک اور شریف ہوں۔"

"ہاں بس اپنی تعریفیں کرتے رہا کرو۔ جو میں نے کہا ہے اس کا کوئی جواب نہیں۔"

"اس کا کیا جواب دوں ظاہر ہے آپ کی سہیلی نے اگر مجھے اس قابل سمجھا ہے تو کسی وجہ سے ہی سمجھا ہوگا کوئی یقین ہوگا تب ہی مجھ تک آئی ہے۔ کیوں شہنا ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟"—

"میرا نام شہنا نہیں تمہنا ہے۔" اس نے جھٹ اطلاع دی۔

"اوہ سوری۔ بھول گیا تھا۔" اس نے شرارت سے آنکھیں میچیں۔

"آج نام بھول گئے کل اسے نہ بھول جانا۔"

"توبہ کریں باجی وہ دن تب ہی آسکتا ہے کہ میری یادداشت خراب ہو جائے۔"

"تم مرد لوگ دعوا تو بہت کرتے ہو مگر اکثر وقت پڑنے پر سلمیٰ کا مادھو ثابت ہوتے ہو۔"

"کیا آپ کو کوئی تجربہ ہے؟" اس نے رازداری

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کے عالم میں کھڑکی کے قریب آکر دریافت کیا۔

"شکر کرو اس وقت میرے آس پاس کوئی دستی چیز نہیں رکھی۔ ورنہ دے مارتی تمہارے سر پر۔"

"کمال ہے۔ اتنا بُرا مان گئی ہیں۔ میں تو ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔"

"ہمدردی کے کچھ گنتے چار سال ہو گئے ہیں میری شادی کو اور میں خوشگوار زندگی بسر کر رہی ہوں۔"

"پھر بھی مردوں کو کوستی ہیں؟"—

"وہ تو میں تم جیسے عاشقوں کی بات کر رہی تھی۔" یہ لفظ عاشق شہنا کو خاصا معیوب لگا۔ وہ خدا حافظ کہہ کر اپنے گھر میں داخل ہو گئی۔

"اچھا میں بھی چلتا ہوں۔"

"ہاں تم اُسی کے لیے تو کھڑے تھے، وہ گئی تو تم کیوں رکو گے؟"—

"باجی او باجی! مت روکو مجھے اپنی ازدواجی زندگی کو خوشگوار ہی رہنے دو۔" وہ ہنس کر بولا اور ہاتھ ہلا کر چلا گیا۔

شام کو پڑوسن خالہ کے ہاں سے اس کے لیے ایک بچے کے ہاتھ کھانا آیا تھا اور یونہی رکھا تھا۔ وہ کتاب لیے بیٹھا تھا اور ابھی کھانے کو جی بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ دستک کی آواز پر پہلے تو سوچا بیٹھا رہوں، جو بھی ہو گا تنگ آکر واپس چلا جائے گا مگر آنے والا بھی ڈھیٹ تھا۔ اسے اٹھا کر ہی دم لیا۔

"ارے جہانگیر بھائی تم۔ میں بھی کہوں ایسا ثابت قدم اور کون ہو سکتا ہے؟"

"دروازہ کیوں نہیں کھول رہے تھے؟" جہانگیر غصے میں تھا۔

"اصل میں کچھ لوگوں سے قرض لے رکھا ہے۔ وہ میرے پیچھے ہیں۔ میں سمجھا وہی یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔" اس نے بات بنائی۔

جہانگیر بھی سمجھ رہا تھا۔ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا اور وہی کتاب اٹھا کے پلٹ کر دیکھنے لگا جو ابھی غازی پڑھ رہا تھا۔

"کھانا کھا لو گے؟"

"میرے لیے بھی لے آتے۔ پتا بھی ہے کہ آج کل گھر پر اکیلا ہوں۔ اتنی مشکل سے یہ تھوڑا سا کھانا بنا لیتا ہے میں نے۔"

"تمہارے لیے تو میں زہر ہی لا سکتا ہوں۔"

"ہائے حسرت ہی رہی کبھی آپ کو خوشگوار موڈ میں دیکھیں۔ اب کیا ہوا ہے۔ اماں نے ڈانٹا ہے ابا نے مارا ہے یا محلے والوں نے پٹائی کی ہے۔ کہ آخر ہو بیٹیاں بھی تو تاڑتے رہتے ہو تم۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب غازی کے سر پر دے ماری۔

"ہائے سر توڑ کے رکھ دیا میرا، شکر ہے۔ یہاں پر دل نہیں تھا ورنہ دل بھی ٹوٹ جاتا اور دل توڑنا بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ دل — خدا کا گھر ہوتا ہے۔ اتنے بڑے گناہ کے بعد تم سیدھے جہنم میں ہوتے۔"

"میں تم سے یہ پوچھنے آیا ہوں کہ امی کو تعویذ کیوں لا کر دیا ہے۔"

"تو پھر کیا آپ کو لا کر دیتا؟"—

"غازی! آجی پہلے ہی جانے کیا کیا کرتی پھرتی ہیں۔ عجیب منصوبے بنائے ہوئے ہیں انہوں نے اور تم۔ انہیں اور بھی ہوا دیتے ہو۔ اب کسی پیر فقیر سے یہ تعویذ لے آئے ہو۔ ہمارے گھر کی آدمی کمائی تو اب اس بدبخت کے گھر جایا کرے گی۔ نذرانوں کی صورت میں۔"

"اوئے اوئے مجھے گالی مت دو۔" غازی نے تیزی سے کہا اور کھانے کے برتن اپنے سامنے سیٹ کرنے لگا۔

"تمہیں نہیں۔ میں تو اس کو کہہ رہا ہوں جس سے تعویذ لائے ہو۔"

"تو عرض ہے اُن پیر صاحب محترم حضرت کا نام ہے غازی عرف خدائی فوجدار۔"

"کیا مطلب؟"—

"مطلب یہ کہ خالہ نے مجھے تعویذ کے لیے کہا تھا۔ میں نے سوچا کسی اصلی نقلی پیر سے لے کر آیا تو ندامے بھی چڑھانے پڑیں گے۔ خالو کی محنت کی کمائی لٹ جائے گی۔ بہتر ہے خود ہی لکھ کر انہیں دے دوں۔ اتنی مشکل سے سبز کاغذ تلاش کیا اور بیاری بیاری لکھائی میں چند اوٹ پٹانگ جملے لکھے اور خالہ کو دے

آیا کہتی رہیں، پیر صاحب کے لیے کچھ نذر نیاز لے جاؤ، مگر میں نہیں مانا۔"

اب جہانگیر کو ہنسی آگئی اور بولا۔

"تمہارا لکھا ہوا وہ تعویذ امی نے چمڑے میں سلوا کر چھت کے قریب ایک کیل لگا کر لٹکایا ہے۔ اور ہر آنے جانے کو عقیدت سے بتاتی ہیں، کہ پہنچے ہوئے پیر صاحب نے دیا ہے۔"

"ماشاءاللہ۔ سبحان اللہ۔ کہاں میں، کہاں یہ مقام اللہ اللہ۔"

غازی ایک جذب کے عالم میں جھومنے لگا، پھر رُک کر بولا۔

"کیا خیال ہے، میں بھی پیر صاحب نہ بن جاؤں۔"

"بن جاؤ۔" جہانگیر کے لبوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے، میں پیر اور تم میرے خاص۔ کارندے، ملازمت تو تمہیں ملی نہیں رہی۔ اس کام میں ہی اپنی تعلیم کو استعمال کرو۔ کاروبار خوب چمکے گا۔ اور ممکن ہے۔ ایک روز زیبا بھی دُعا کرانے کے لیے میرے آستانے پر تشریف لائے، مجھ تک آنے سے پہلے دروازے پر بیٹھے گرین یونیفارم خاص کارندے سے ملاقات ہو جائے اور اُن کی مشکلیں آسان ہو جائیں۔ اور پیر صاحب فرمائش پر، ہم پہلے ہی کچھ گئے تھے۔ تم دکھی دل کے ساتھ کیا فریاد کرنے آرہی ہو۔ اسی لیے گھر میں سوئے اس شخص کو تکتی بنا کر یہاں تک لائے، اور پھر دوبارہ آدمی بنا کر دروازے پر بٹھا دیا۔ تمہارے لیے بچے صرف تمہارے لیے۔" وہ آنکھیں بند کیے بارعب آواز میں کہہ رہا تھا۔

مگر جہانگیر زیبا کے نام پر چونک گیا، اور بغور اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"یہ زیبا کا نام کیوں لیا تم نے؟"

"تو کیا تم کسی اور کا نام سُننا چاہتے ہو؟"

"بک نہ یار! مجھے صاف صاف بتا، بات کیا ہے؟"

"بات یہ ہے کہ زیبا بڑی اچھی لڑکی ہے اور تم سے متاثر بھی بہت ہے۔"

"چلو ایک اور جھوٹ، مجھ سے ملی نہیں اور بہت متاثر ہے۔"

"اوہو! میں تو ملتا ہوں اور تمہاری اتنی تعریفیں کرتا رہتا ہوں، اب تک تو وہ دن کا آدھا وقت آپ کے بارے میں سوچتے گزارتی ہو گی — جناب بہت اچھی بڑی نیک سادہ دل لڑکی ہے، تمہارے بارے میں جو کہتا ہوں، جھٹ مان لیتی ہے۔"

"تمہیں کہا کس نے ہے میری تعریفیں کرنے کو۔"

"تمہاری امی نے اور کس نے۔"

"غازی! تم اتنے تیز ہو۔ اتنا اثر ہے تمہاری باتوں میں، میری امی کو کیوں نہیں سمجھاتے کہ دوسروں کی جائداد پر نظر نہ رکھیں جو کچھ اپنے پاس ہے، اس پر صبر شکر کریں۔"

"اچھا تو مانتے ہو بھائی کہ میری زبان میں اثر ہے۔"

"ہاں، جب ہی تو زیبا ایک اَن دیکھے لڑکے سے متاثر ہو گئی ہے۔"

"نہیں، اس کی وجہ یہ نہیں ہے، اصل میں وہ بڑے صاف دل کی لڑکی ہے۔ باقاعدگی سے نماز پڑھتی ہے۔ دادا کی خدمت کرتی ہے، اور میں جاتا ہوں، تو مجھے بھی ضرور چائے پلاتی ہے۔ دروازے پر کوئی فقیر آجائے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتی۔ پڑوسیوں سے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ جب بھی جاؤں پانچ چھ لڑکیاں اس کے پاس پڑھنے کے لیے بیٹھی ہوتی ہیں۔"

"یار! پڑھی لکھی بھی ہے۔" غازی کی اتنی باتوں نے اسے بھی توجہ دینے پر مجبور کیا۔

"ہاں ہاں۔ اچھی خاصی تعلیم یافتہ، سلجھی ہوئی لڑکی ہے، اور جائداد جسے تم دوسروں کی کہہ رہے ہو، وہ تمہاری بھی ہوتی ہے، عقد بنتا ہے تم لوگوں کا، اور اپنا حق تو انسان کو ضرور لینا چاہیے، مگر تمہیں پتا نہیں کیوں خاتون بھری زندگی سے عشق ہے۔"

"کوئی فاقے نہیں ہو رہے، ہمارے گھر ہزاروں سے اچھا کھاتے ہیں۔"

"یہ بات میرے کھانے کی طرف دیکھ کر کیوں کی ہے تم نے۔"

"بابا! معاف کرو، ایسے ہی ادھر نظر پڑ گئی تھی، ورنہ مجھے پتا ہے، تم لاکھوں سے اچھا کھاتے ہو۔"

"شکریہ، آپ کو کچھ تو پتا ہے، اور ہاں میں نے دادا کو بتا دیا تھا کہ جہانگیر روز بروز لائق سے لائق ترین ہوتا جا رہا ہے۔ سنتے ہی کان کھڑے ہو گئے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

زیبا سے بولے بیٹی تم اندر جاؤ مجھے غازی سے کچھ ضروری بات کرنا ہے، اور اس کے جانے کے بعد مسلسل تم لوگوں کی باتیں کرتے رہے۔"

"اس کا مطلب ہے دادا ابھی اب صلح کرنا چاہ رہے ہیں۔" وہ اس کی باتوں میں آگیا۔

"ہاں۔ لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے۔ اصل میں تنہائی سے بھی گھبرا گئے ہیں۔ غلطیوں پر پشیمان ہیں بے چارے۔"

"اچھا!" وہ حیران ہو رہا تھا۔

"اصل میں زیبا صلح جو اور عقل مند لڑکی ہے۔ اسی نے دادا کو سمجھایا ہے کہ یہ عمر جو اللہ اللہ کرنے کی ہے، اس میں آپ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ یہ کچھ مناسب تو نہیں۔ بس دادا کا بھی دل کچھ قائل ہوا، اور اب تو مجھے چائے بھی پلاتے ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے تو مہمان کو بیٹھنے کو بھی نہیں کہتے تھے۔ کہ کہیں میری کرسی خصیں نہ جائے۔"

"ابا بھی ایک دو روز تک شاید زمینوں سے واپس آجائیں، پھر چلیں گے دادا کی طرف۔" جہانگیر تیار تھا۔

"خالو جان آجائیں تو بھی چلے جانا مگر پہلے بھی ہو آؤ، ورنہ دادا یہی خیال کریں گے کہ باپ زبردستی لایا ہے، تم لوگوں کا صلح کا ارادہ نہیں ہوگا۔"

"کہتے تو تم ٹھیک ہو۔ امی سے بھی بات کر لو، پھر جیسا وہ کہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ آپ چلو اپنے گھر میں کھانا کھا کر آتا ہوں۔"

"آجانا ایسا نہ ہو غازی صاحب کھانا کھا کر سو رہیں اور ہم بیٹھے انتظار کرتے رہ جائیں۔"

"نئیں یار! آجاؤں گا میں۔"

اور جس وقت وہ جہانگیر کے گھر پہنچا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی نظر سامنے۔ اونچی جگہ پر ٹنگے اپنے تعویذ پر پڑی، اور اسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اس ہنسی میں جہانگیر بھی شریک ہوگیا۔ خالہ ادھر آئیں تو کچھ دیر حیران نظروں سے ان دونوں کو دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"آخر ہوا کیا؟ ہمیں بھی تو بتاؤ۔"

"او خالہ! آپ کب آئیں؟" وہ سنبھل گیا۔

"میں ابھی ابھی تمہاری ہنسی کی آواز پر برتن چھوڑ خالہ کے ہاتھ صابن اور دم سے بھرے ہوئے تھے۔

"آپ جا کر برتن چمکائیے، پھر آرام سے باتیں ہوں گی۔ ابھی میں یہیں ہوں۔"

کچھ دیر بعد خالہ کام سے فارغ ہو کر آئیں، تو اس نے کچھ سچ کچھ جھوٹ ملا کر رپورٹ پیش کر دی۔

"اے میں قربان۔ میں صدقے جاؤں کرامت والے پیر صاحب کے۔ دیکھو تو تعویذ کی برکت گھر میں آیا ہی ہے کہ میرے دن بدلنے لگے ہیں۔"

"خالہ! میرا مشورہ تو یہ ہے۔"

"ارے چھوڑو اپنے مشوروں کو۔ یہ ساری صورت حال پیر صاحب کو بتاؤ، پھر وہ جو بھی کہیں۔ میں تو اب ان کی بات پر عمل کروں گی۔

اے غازی! اس میں اتنا ہنسنے کی کیا بات ہے، دیکھو تو جہانگیر اس لڑکے کو۔ لو تم بھی مسکرا رہے ہو، بس بھئی، آج کل کی نسل کا حال اسی لیے خراب ہے پیروں۔ فقیروں کو نہیں مانتے حالانکہ دیکھ رہے ہیں کتنے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں وہ۔ میں تو کہتی ہوں مجھے بھی ساتھ لے چلنا۔ میں بھی سلام کر لوں گی انہیں۔"

"نہیں نہیں خالہ! وہ زیادہ لوگوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔ میرے تو دوست کے نانا ہیں، اس لیے صرف دو منٹ کی ملاقات کی اجازت دے دی۔"

"تو کیا سارا وقت عبادت میں گزارتے ہیں؟" انہوں نے بڑے اشتیاق اور عقیدت سے دریافت کیا۔

"مجھے کیا پتا، کہہ تو رہا ہوں کمرے میں داخلے پر پابندی لگا رکھی ہے، اب کسی کو کیا پتا۔ عبادت کرتے ہیں۔ یا رومانی ناول پڑھتے ہیں۔"

"غازی، غازی بچے نہ ایسی بات منہ سے نکال۔ پیر صاحب کے غضب سے ڈر۔"

"اچھا خالہ اٹھ جاتا ہوں، اب خوش۔"

زیبا کو خاصا تیز بخار تھا۔ غازی نے دوا لا کر دی۔ پھر جیسے تیسے اس کے لیے چائے بنائی اور بسکٹوں کے ساتھ پیش کی۔

"آپ بہت اچھے ہیں۔" وہ بے حد ممنون تھی۔

"کوئی اچھا وچھا نہیں ہوں۔ وہ تو اس روز آپ

کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ باتوں باتوں میں جہانگیر سے ذکر ہوا تو پریشان ہوگئے، اور بولے میں تو وہاں جا نہیں سکتا۔ دادا مجھے دیکھتے ہی آگ بگولا ہو جائیں گے۔ تم وہاں جاؤ، اور زیبا صاحبہ کی تیمارداری کرو۔"

"اب نانا اتنے بھی بُرے نہیں۔ میرا خیال ہے گھر آئے مہمان کا ضرور لحاظ کریں گے۔" جملے کے پیچھے یہ خواہش چھپی تھی کہ وہ خود وہاں آئے، تاکہ اتنی باتیں سن کر وہ متاثر ہوئی تھی۔ اس شخصیت کو دیکھنا چاہتی تھی۔

"غازی بیٹے! دوا کتنے کی ملی ہے؟" نانا جان بھی چلے آئے۔

"بس مل گئی، اب قیمت بتانے سے فائدہ۔" پھر زیبا کی جانب جھک کر آہستہ سے بولا۔

"پیسے جہانگیر نے دیے تھے، ڈاکٹر کے پاس میں اپنی کے ساتھ گیا تھا۔"

"غازی بچے مجھے قیمت ادا کرنی ہے۔"

"چھوڑیے دادا ابا! اب میں اتنا بھی غریب نہیں کہ اپنی بہن کو دوا بھی نہ لا کے دے سکوں۔"

ایک ایک پیسے کا حساب رکھنے والا دادا ابا کے لیے یہ بات حیران کن اور متاثر کن تھی، بولے

"غازی! تم ایک عظیم انسان ہو۔"

"شکریہ۔" غازی نے از حد انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

"بیٹھیے ناں، کہاں چلے؟"

اسے اٹھتے دیکھ کر زیبا نے کہا۔

"مجھے کام ہے تھوڑی دیر کے بعد پھر چکر لگاؤں گا۔ آپ سونے کی کوشش کریں۔ ذرا دیر میں انشاء اللہ بخار اتر جائے گا۔"

وہاں سے اٹھ کر وہ جہانگیر کی والدہ کے پاس پہنچا۔ وہ اس وقت گوشت بھنڈی پکا کر فارغ ہوئی تھیں۔

"ایک اہم خبر۔" باورچی خانے میں آتے ہی دھماکا کیا، پھر ان کے پاس پڑھی رکھ کر بیٹھ گیا۔

"یہاں تو بڑی گرمی ہے، اندر چلتے ہیں۔"

"خبر بھی بڑی ہی گرما گرم ہے خالہ محترمہ!"

"کیا پیر صاحب کی طرف سے آرہے ہو؟"

"پیر صاحب، آہاں ہاں انہوں نے ہی تو بتایا ہے کہ آج صبح ان کی جلالی آنکھ نے عجب نظارہ دیکھا۔"

"اے کیا دیکھا؟" خالہ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

"انہوں نے دیکھا کہ زیبا بی بی بیمار ہیں، آپ اور جہانگیر عیادت کو جا رہے ہیں اور آپ کے اس اقدام سے دادا جان اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ نیم بے ہوش ہو گئے ہیں۔"

"یہیں سے غازی۔ یعنی میری۔"

"ہاں جانتی ہوں۔ غازی تمہارا نام ہے، آگے کہو۔" وہ بے صبری ہو رہی تھیں۔

"یہیں سے غازی کی انٹری ہوتی ہے۔ وہ دادا ابا سے کہتا ہے۔ بہو سلام کرنے آئی ہے، اٹھیے اٹھ کر گلے لگا لیجیے اور آپ دادا کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگ جاتی ہیں۔"

"ارے وہ بڈھا، نہ میں یہ نہیں کروں گی۔"

"مجھے تو پیر صاحب نے کہا ہے، اور حکم دیا ہے کہ آپ اور بھائی جتنی جلدی ممکن ہو۔ دادا کے گھر پہنچ کر انہیں متاثر کر دیں۔"

"ہاں اب اُن کی بات ٹالی تو نہیں جا سکتی۔"

"اور کیا یوں جلال میں آکر خود نہ چل پڑیں دادا کے گھر کی طرف اور جائداد پر قابض ہو جائیں۔"

غازی کے خیالات پیر صاحب کے بارے میں، وہ توبہ توبہ کرتیں بیٹھک کی طرف چل پڑیں۔ تاکہ جہانگیر کو تیار کر سکیں

"سنیں خالہ! بھائی کو یہ مت بتانا کہ ہم دادا کی طرف جا رہے ہیں، راستے میں بتائیں گے وہ بھی جب ان کے گھر کے بالکل قریب پہنچ جائیں گے۔ دیکھیں ناں، ضدی تو وہ ہیں۔ کہیں جانے سے صاف انکار ہی نہ کر دیں۔"

"ہاں، یہ بات تم نے بڑی عقل والی کی ہے۔"

وہ بیٹھک میں چلی گئیں۔ اور ذرا دیر بعد حیران پریشان جہانگیر بھی ان کے ساتھ برآمد ہوا۔

"آخر آپ بتاتی کیوں نہیں، بات کیا ہے؟" وہ جھلایا ہوا تھا۔

"تم جلدی سے منہ دھو کر بالوں کو کنگھا کرو اور چلو ہمارے ساتھ۔"

"کیا مطلب، یہ غازی بھی جا رہا ہے، پھر تو ضرور کوئی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

اُلٹا سیدھا کام ہوگا۔ میں تو نہیں جاتا۔"

"او ہو بھائی ہر وقت شک نہ کرتے رہا کرو۔" غازی نے بظاہر پُرامان کر کہا۔

خالہ کی ڈانٹ ڈپٹ اور غازی کے روٹھ جانے پر آخر اسے ماننا پڑا۔ اور دس منٹ بعد وہ لوگ گھر سے روانہ ہو رہے تھے۔

سارا راستہ خالہ اور غازی باتیں کرتے رہے۔ وہ خاموشی سے ساتھ چلتا رہا۔ مگر جونہی دادا کے دروازے پر پہنچے وہ ٹھٹکا۔

"یہ آپ کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟"

"لیجیے خالہ! فرما رہے ہیں، کہاں لے جا رہے ہیں۔ کیوں آپ کوئی نئے چوزے ہیں، جو ہم زبردستی کریں گے۔ آپ اپنی مرضی سے آئے ہیں۔" غازی نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور خالہ بولیں۔

"بیٹے! وہ بچی بیمار ہے، اور بیمار کا حال پوچھنا ہم پر فرض ہے پھر یوں بھی اس سے تو کہیں سے کوئی ٹرائی نہیں بنتی۔"

"اور کیا وہ تو آپ لوگوں کے بارے میں اتنا پوچھتی ہے۔ آپ نہ گئے تو بڑا دکھ ہوگا اُسے۔ میں جانتا ہوں آپ۔ رشتہ داروں کی محبت میں یہاں نہیں آئیں بلکہ۔"

"اچھا بس چپ کبھی تو موقعہ محل دیکھ لیا کرو اُن کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہے اور لگا ہے اپنائیاں بیان کرنے۔ جو سراسر جھوٹ ہیں۔ میں صرف بچی کی محبت میں یہاں تک آئی ہوں۔"

"تو آئیے۔ اب اندر تشریف لے آئیے۔"

غازی کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ پیچھے یہ دونوں بھی آ گئے۔ دادا ابا اس وقت بھی نیم تکیے بیٹھے تھے۔ غازی نے خالہ سے کہا۔

"دوڑ کر جائیے سلام کیجیے، اور پھر آنسو بہانے لگ جائیں۔ پیر صاحب نے یہی ہدایت بیان فرمائی تھی۔"

"ارے۔ رے آپ، تم لوگ۔" دادا گڑبڑا گئے۔ کہ یہ امید ہی کہاں تھی۔

"سلام دادا!" جہانگیر نے ادب سے سلام کیا۔ انہوں نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ خالہ آگے بڑھیں، اور سلام کر کے (illegible) اور ذرا سی دیر میں آنکھیں بھی برسنے لگیں۔ مگر دادا بھی خوب جانتے تھے۔ (illegible) ہو کو۔ خود بھی بتاشہ ہوئے۔

غازی نے زیبا کی تلاش میں چل پڑا۔ جا کر دروازے پر

دستک دی۔ اجازت ملنے پر اندر آیا اور بولا۔

"وہ اپنی روایتی نرم دلی کے باعث زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکے۔ خود چلے آئے ہیں۔"

"کون؟" بخار کی تپش سے زیبا کا چہرا سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اس کی بات سمجھ نہیں سکی۔

"جہانگیر اور خالہ جان۔ خالہ جان تو فکرمندی کے عالم میں رونے لگی ہیں۔"

"اچھا!" اپنی محبت پر اس کی حیرت یقینی تھی۔

"آئیے آجائیے۔" غازی نے جہانگیر کو پکارا اور اُسے شرافت کے ساتھ آنا پڑا۔ ورنہ دل میں غازی پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

"السلام علیکم!" پہل زیبا نے کی۔ جہانگیر نے اس کی طرف دیکھا۔ بخار کی وجہ سے چہرا سرخ ہو رہا تھا مگر تکلیف میں بھی وہ مسکرا کر استقبال کر رہی تھی سو انہیں بھی اخلاقی تقاضے نبھاتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ لانا پڑی۔

"میں آپ کی بہت ممنون ہوں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"کیوں؟" ادھر معصومیت سے زیادہ حیرت اور حیرت سے زیادہ معصومیت تھی۔

"آپ نے غازی کو میرا حال پوچھنے بھیجا اور پھر دوا بھی۔"

"جی!" جہانگیر کے منہ سے پھسلا۔ اس سے پہلے کہ کچھ اور پھسلتا ایسی پچویشن سنبھالنے کے لیے ہی یہاں پر اب تک موجود غازی بولا۔

"آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں زیبا بہن! یہ تو ان کا فرض تھا۔ آخر گلے نہ سہی مگر رشتے کے ماموں زاد ہوتے ہیں اور یہ تو وہ ہیں، جو غیر کے لیے بھی تڑپ اٹھتے ہیں۔ آپ تو ان کی اپنی ہیں۔"

اپنی والی بات پر جہانگیر نے بے ساختہ ہی زیبا کی طرف دیکھا جس نے چہرا کچھ چھپا لیا تھا اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے دوپٹے کا کونہ مروڑ رہی تھی۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟" جہانگیر نے بہت تحمل سے فقرہ ترتیب دیا۔

"پہلے سے کچھ بہتر ہے۔" زیبا مسکرا دی۔

"اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیے۔"

"نہیں نہیں بہت بہت شکریہ۔"

"آپ پلیز لیٹ جائیے ورنہ طبیعت زیادہ

خراب ہو جائے۔ اگر میری وجہ سے جھجھک ہیں تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔"

"نہیں آپ تشریف رکھیے۔ ایسی کوئی بات نہیں آپ نے کچھ کھایا۔ میرا مطلب ہے چائے وغیرہ کچھ لیا آپ نے؟"

"جی میں نے چائے لی تھی۔"

"او ہو چائے کا کیا فائدہ۔ آپ دودھ لیتیں یا کوئی فروٹ؟"

اُن کے درمیان ایسی ہی گفتگو ہو رہی تھی۔ غازی کو ہنسی آ رہی تھی اور وہ ان کی جانب سے رُخ موڑے بظاہر کھڑکی سے باہر جھانکنے کون سے حسین نظارے دیکھنے میں محو تھا۔ جانے یہ تمیز و ادب کے دائرے میں چلنے والی گفتگو ابھی اور کتنی دیر تک غازی کو بور کرتی کہ خالہ چلی آئیں۔

"میری بچی! میری چاند! میری تارا! ہائے دیکھو تو چہرا کیسے کملا گیا ہے۔ ذرا ادھر دیکھو غازی یہ رحم باہر کیا تلاش کر رہے ہو؟"

وہ جا کر دھپ سے زیبا کے پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

"میں باہر ستاریاں تلاش کر رہا ہوں پھپھی آج تک ستارے ہی دیکھے ہیں۔ کوئی ستاری کبھی نظر نہیں آئی۔"

"چل تو ہٹ مذاق ہی کرنا موقع محل تو دیکھ لیا کرو۔ اپنی اقم لیٹ جاؤ۔ میں ٹھیک ہوں۔"

لڑکوں کی موجودگی میں اسے لیٹ جانا مناسب نہیں لگا مگر خالہ نے شانوں پر دباؤ ڈال کر لٹا دیا۔ اور خود بھی قریب ہی ٹک گئیں۔

"مجھے پتا ہوتا یہ حالت ہے تو گھر سے کچھ کسٹرڈ دلیہ پکا لاتی تمہارے لیے۔" وہ ہولے ہولے زیبا کا سر دباتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

دادا بھی اندر چلے آئے اور خاموشی سے کونے میں رکھی کرسی پر بیٹھ کر یہ ساری کارروائی دیکھنے لگے۔

"اے بیٹے جہانگیر! دوڑ کر گھر جاؤ اور دلیے کا ڈبہ اور دودھ اٹھا لاؤ۔ میں تو آج یہیں رہوں گی اپنی بیٹی کے پاس۔ اے ہے بن ماں کی بچی اس حالت میں پڑی ہے میرا تو دل درد سے پھٹنے لگا ہے ہائے کتنا پیار تھا میرا اور شمشاد کا۔ ادھر یہ پیدا ہوئی اُدھر میں نے اپنے جہانگیر کے لیے مانگ لیا۔ اور

شمشاد نے بھی جھٹ ہامی بھر لی کہ بھابی اب تو زیب النسا تمہاری امانت ہے۔"

جہانگیر کی موجودگی میں ایسی بات، زیبا کو بڑی شرم آ رہی تھی۔ مگر وہ مگن تھیں۔

"ہائے شمشاد دُنیا سے کیا گئی لوگوں نے رشتے ہی بھلا دیے۔ مگر میں تو بھولنے والی نہیں۔"

دادا نے سارا کچھ بغور سنا مگر جانے کیا سوچ کر خاموش ہی رہے۔

جہانگیر گھر سے دودھ اور دلیہ لے آیا اور خالہ باورچی خانے میں چلی گئیں۔ جہانگیر بھی ابھی اُدھر ہی تھا۔ نانا ایک بار پھر صحن میں چلے گئے اور زیبا چپکے چپکے رو رہی تھی۔

"کیا ہوا آپ کو؟" غازی نے ہمدردی سے پوچھا۔

"بس ایسے ہی امی یاد آ گئیں۔ ممانی میری امی کی سہیلی بھی تو ہیں ناں۔"

"آپ سے کس نے کہا؟"

"ابھی وہ خود ہی تو بتا رہی تھیں۔"

"وہ تو اور بھی بہت کچھ بتا رہی تھیں۔" غازی نے شرارت سے کہا اور پچھلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر شوخی سے اسے دیکھنے لگا۔ زیبا کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اللہ تیرا شکر۔" وہ بآواز بلند بولا۔

"کس بات پر شکر ادا کر رہے ہیں آپ؟"

"اس بات پر کہ جہانگیر آپ کو پسند ہے ورنہ بہت سے دل ٹوٹ جاتے اور سب سے زیادہ آواز تو جہانگیر کے دل کی ہوتی۔ بالکل ہی چور چور ہو جاتا بے چارا۔"

"یہ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ مجھے پسند ہیں۔" وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے اور نظر اس سے ملائے بغیر پوچھ رہی تھی۔

"یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہوتا لڑکی۔" غازی نے بات کے اختتام پر قہقہہ لگایا۔

زیبا نے خفگی بھرے انداز میں اسے دیکھا پھر ہنس پڑی۔

"غازی!" دادا اسے آواز میں دے رہے تھے۔

"کیا ہے دادا؟" وہ پیڑ تلے ڈالی گئی ان کی کرسی کے قریب آ کھڑا ہوا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"میں پوچھتا ہوں۔ آخر یہ لوگ کیا کرنے آئے ہیں یہاں؟"

"آپ انہی سے پوچھ لیں، میرا تو گلا خراب ہو رہا ہے۔ لمبی بات کرنے سے منع کیا ہے ڈاکٹر نے۔"

"ہونہہ آتے ہی مالک بن بیٹھے۔" دادا بڑبڑائے۔

"میں بھیجتا ہوں جہانگیر کو، آپ خود ہی بات کریں۔"

"نہیں نہیں رہنے دو۔" دادا روکتے رہے مگر وہ باورچی خانے میں چلا آیا۔ جہانگیر اس وقت ٹرے میں برتن لگا رہا تھا۔

"اوہو تو خدمتیں ہو رہی ہیں۔" میں نے کہا۔ "بعد میں کرنی ہیں ابھی سے شروع ہو گئے۔ کچھ دن تم بھی تجربے کر لیتے، کیوں خالہ؟"

جواب میں خالہ ہنس پڑیں۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ میرا کام اب ختم ہو گیا ہے۔"

"ٹھہرو غازی! اکٹھے ہی چلیں گے۔"

"نہیں خالہ! مجھے بڑے کام ہیں۔"

آپ لوگوں۔ کیا پتا۔ کب تک رکیں گے۔ ہو سکتا ہے سامان اٹھا کر ادھر ہی ڈال دیں۔ مجھے تو اجازت ہی دیں۔"

امی اس شام واپس آ گئیں۔ غازی گھر پر ہی تھا۔ دروازہ کھولا تو بولیں۔

"شکر ہے تم موجود تھے۔ میں تو سوچ رہی تھی کب تک گھر آتے ہو گے۔ مجھے تمہارے انتظار میں پڑوسن کے ہاں بیٹھنا پڑے گا۔"

"نہیں امی! اس وقت تک تو روز ہی گھر آ جاتا تھا اور آپ سنائیں۔ کیا حال ہے۔ سفر کیسا گزرا؟"

"اللہ کا شکر ہے آرام سے پہنچ گئی۔"

"اور بھابی کا کیا حال تھا؟"

"ٹھیک تھی وہ بھی۔ ابھی صدمہ تازہ ہے۔ دادی کی بڑی لاڈلی تھی۔"

"یہاں محلے کی تمام باجیاں، خالائیں، پھوپھیاں آئی تھیں افسوس کے لیے۔"

امی سر ہلا کر بستر پر بیٹھ گئیں۔ اور غازی سے چائے بنانے کو کہا۔

"بنا تو دیتا ہوں مگر یاد رہے میرے ہاتھ کی بنی چائے کے بارے میں آپ ہمیشہ یہی کہتی آئی ہیں کہ اس سے بہتر ہے بندہ زہر پی لے۔"

"چلئے تو نخرہ بناتی ہے، اتنی اچھی کہ تعریف کیے بغیر رہا ہی نہیں جاتا۔ بڑی ہی نیک اور سعادت مند بچی ہے۔ میں خوش نصیب ہوں جو ایسی بہو ملی ہے۔" امی بہو کو یاد کرنے لگیں۔ غازی بھی کرسی پر آ بیٹھا اور سامان اب تک صحن میں ہی پڑا تھا۔

امی کی اطلاع محلے والوں کو ہوئی تو اگلے روز صبح سے ہی عورتیں آنے لگیں۔ امی ان سے باتوں میں مصروف رہتیں۔ غازی سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ گرمی بہت زوروں پر تھی۔ شام کو ہی وہ گھر سے نکلتا۔ دن میں مجبوراً گھر پر رہنا پڑتا۔ ہاں یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ جہانگیر وغیرہ کی اپنے دادا سے صلح ہو گئی ہے۔ دن میں کئی چکر لگتے ہیں۔

وہ چند روز بعد ہی جا سکا۔ جہانگیر اسے دیکھ کر مسکرایا اور اتنے دن بعد آنے کا گلہ کیا۔

"اچھا! میں ابھی تک یاد ہوں۔ میں تو سمجھا تھا بھول بھال گئے ہو گے۔"

"تم بھی کوئی بھولنے والی چیز ہو۔"

"زیبا سامنے ہو پھر تو تم سب کچھ بھلا سکتے ہو جانو بھائی!"

آج نام بگاڑنے پر بھی اس نے برا نہیں منایا بلکہ ہنس پڑا اور بولا۔

"میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔ یہ سب تمہاری ہی کوششوں کا نتیجہ ہے۔"

"اچھا کہاں تک پہنچ گیا ہے سلسلہ؟" اشتیاق کے ساتھ سوال ہوا۔

"امی کو بہت پسند ہے۔ کہتی ہیں چاہے دادا ہمیں جائیداد میں سے حصہ نہ دیں، زیبا کو بھی عاق کر دیں مگر یہ شادی تب بھی ضرور ہو گی کہ مجھے زیبا سے محبت ہو گئی ہے۔"

"یعنی خالہ کو بھی واہ۔" غازی نے بھی پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا زیادہ بکواس نہ کرو میں کب سے تمہارا منتظر تھا۔ ایک کام ہے تم سے۔"

"ہاں کہو اگر کام معقول ہوا تو ضرور کروں گا۔"

"نہیں بس تمہیں کرنا ہے۔"

جہانگیر نے اتنا کہہ کر میز کی دراز کھولی اور سرخ کاغذ میں لپٹی کوئی چیز نکالی۔

"یہ کیا ہے؟" غازی نے پوچھا۔

"چوڑیاں۔" جہانگیر نے دھیمے سے کہا۔

"چوڑیاں!" غازی نے حیران ہو کر دہرایا اور پھر بولا۔

"میں کیا کروں گا ان کا۔ تمہاری ہونے والی بھابی تو ابھی اپنے گھر بیٹھی ہے اور ابھی اس کا شمار کنواریوں میں ہوتا ہے۔ جب تک میری دہلیز پر قدم رکھے گی تب تک یہ کہاں سنبھال سنبھال کر رکھوں گا انہیں۔ نہ بھئی تم میری خدمات کا کوئی اور انعام دو۔"

"بے وقوف! یہ میں زیبا کے لیے دے رہا ہوں۔ تم پلیز میری طرف سے اسے دے دو۔"

"اگر یہ غازی کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"دھیان سے۔ بڑا ہوں تم سے۔" جہانگیر نے رعب جھاڑا۔

"اچھے بڑے ہو۔ انہیں تحفہ میرے ہاتھ سے بھجوا رہے ہو۔"

"اصل میں غازی میرے ساتھ ابھی زیبا کی کوئی خاص بات ہی نہیں ہو سکی۔ اکثر امی ساتھ ہوتی ہیں۔ میں تو ترستا رہتا ہوں کہ تنہائی ملے تو اس سے کوئی بات کروں۔"

"کیا بات کرنا چاہتے ہو مجھ سے کہہ دو۔ وہ بھی میں ہی کہہ دوں گا ان سے۔" غازی بات کے اختتام پر لب دانتوں میں دبائے شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ جہانگیر صاحب بُرا مان گئے تھے۔

"مشورہ دیا تھا۔ نہیں پسند نہ سہی۔" غازی نے شانے اچکائے اور چوڑیاں میز سے اٹھا لیں۔

"سنو! یہ ضرور دیکھنا کہ میرا تحفہ لے کر اس کے چہرے پر کیا رنگ آتا ہے۔ میں اندازہ لگانا چاہتا ہوں کہ وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے یا نہیں۔"

"سبحان اللہ۔ آپ کی عقل شاید اتنے برس بعد گھاس چرکر واپس نہیں آئی۔ بابا! وہ تم سے پیار کرتی ہے۔ میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں۔"

پیارے بچو!

اور طالب علم ساتھیو!

محمود خاور کی

5 خوبصورت کتابوں کا سیٹ

شائع ہو گیا ہے

★ ہمارا پیارا پاکستان
★ ہمارے پیارے قائدِ اعظم
★ ہمارے علامہ اقبال
★ ہمارے لیاقت علی خان
★ ہماری فاطمہ جناح

ان کتابوں کو پڑھ کر آپ کو جہاں پیارے وطن پاکستان کے بارے میں بہت کچھ جان سکیں گے وہاں قائدِ اعظم محمد علی جناح بانیٔ پاکستان، محترم لیاقت علی خان شاعرِ مشرق علامہ اقبال اور محترمہ فاطمہ جناح کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر سکیں گے۔ اور ہاں یہ کتابیں آپ کو تقریری مقابلے، معلوماتِ عامہ کے مقابلے، مضمون نویسی اور امتحان میں بھی بہت مدد دیں گی۔ یہ کتابیں خوبصورت بکس میں پیک کی گئی ہیں تاکہ آپ دوستوں کو تحفے میں بھی دے سکیں۔ ان کتابوں کا سیٹ آپ کو ہر بک اسٹال پر ملے گا۔

مکمل پانچ کتابوں کا سیٹ: 36/- روپے

سول ایجنٹ

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"مگر مجھے تیرے لکھے کا بھی اعتبار نہیں۔"

"آپ خود کیوں نہیں جا کر دیتے۔ ممکن ہے میں چہرے کے رنگوں سے غلط مطلب اخذ کر لوں۔"

"نہیں۔ ایسے کاموں میں تم ماہر ہو۔ غلطی نہیں کرو گے۔"

"اتنے روز سے جا رہے ہو، ابھی تک اس سے یہ معلوم نہیں کر سکے۔" اب غازی ہنس رہا تھا۔

"کبھی امی نے کہنے سننے کا موقع ہی نہیں دیا۔" اس نے منہ بنا کر دو کھرا رویا۔

"بڑے معصوم ہو تم میرے بھائی۔" غازی کو بار بار ہنسی آ رہی تھی۔

"میرا پہلا پہلا عشق جو ہوا۔"

"ہاں۔ میں تو جیسے سنچری مکمل کر چکا ہوں۔" غازی نے برا مانا۔

"مجھے کیا پتا، تمہارے بارے میں۔ سنچری ہو چکی ہے یا ڈبل سنچری۔"

"عرض ہے کہ صرف ایک ہی لڑکی سے پیار کیا ہے اور کرتا رہوں گا۔"

"ہیں، کون ہے وہ؟" جہانگیر اشتیاق کے عالم میں قریب آ بیٹھا۔

"ہے ایک شریف زادی۔" غازی نے نام بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

"بے چاری آ گئی ہو گی تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں۔" اس نے افسوس کا اظہار کیا۔

"پتا نہیں میری گفتگو کے انداز نے متاثر کیا یا صورت بھا گئی۔ بہرحال اب تو میری ہے صرف میری۔"

"ملتی ہے تم سے؟" جہانگیر نے رازداری سے پوچھا۔

جواب میں غازی نے اسے پرے دھکیلا اور بولا۔

"تم کیا چالاک پڑوسنوں کی طرح میرے راز اگلوا رہے ہو۔"

"میں نے کبھی تم سے کوئی بات چھپائی ہے جو تم چھپا رہے ہو۔"

"میں کب چھپا رہا ہوں۔ بتایا تو ہے۔ باقی تفصیل بھی کبھی بتا دوں گا۔ اس وقت جلدی میں ہوں۔"

غازی یہ کاغذ میں لپٹی چوڑیاں لے تو آیا تھا مگر یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ خالص زنانہ چیز اسے کس مشکل میں ڈال دے گی۔ گلی میں ایک دوست سے ملاقات ہو گئی۔ جیب ابھری ہوئی تھی۔ صاف محسوس ہوتا تھا کچھ ڈال رکھا ہے۔ اس نے ہاتھ مسلسل جیب پر رکھا کہ اسے شک نہ ہو اور بے تکلفی کے مظاہرے کے طور پر جیب میں ہاتھ ڈال کر نکال لے پھر تو سارے محلے میں چرچا لازمی بات تھی۔ گھر آیا تو اب امی سے چھپانے کا مسئلہ۔ سیدھا کمرے میں گیا اور الماری میں رکھ دیں۔

شام کو کرتا شلوار پہنا اور سائیڈ کی جیب میں ڈال کر اطمینان ہوا۔ اب کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔ گلی میں آیا تو پڑوسن خالہ مل گئیں۔ وہ بیمار بچے کی انگلی پکڑے مین روڈ تک جا رہی تھیں۔ کروہاں سے رکشہ پکڑ کر ڈاکٹر کے ہاں جانا تھا۔ بچہ خاصا کمزور تھا۔ اسے سہارا دینے کو غازی کو ساتھ جانا پڑا۔ سڑیسی پر سوچا حکیم صاحب کا گھر قریب ہے۔ چلو سلام ہی کرتے چلیں۔ دروازہ شہناز نے کھولا۔ وہ اسے دیکھ کر اور یہ اسے دیکھ کر کھل گیا۔

"اوہو آج تو بڑی بنی سنوری سنوری سی ہو۔ کیا تمہیں معلوم تھا میں آؤں گا؟"

"آپ بھی تو آج بڑے۔" وہ اتنا کہہ کر رک گئی۔

"کہو ناں!" غازی نے بیٹھک میں داخل ہو کر شوق کے عالم میں کہا۔

"میں کہہ رہی تھی آپ بھی بڑے نئے نئے کپڑوں میں ہیں۔"

"پتا نہیں۔ یہی کہنے والی تھی یا بات بنائی۔" غازی نے ہنس کر اس کی صورت دیکھی اور بولا۔

"میں تو آج نکاح کے ارادے سے آیا ہوں۔ بارات بھی آنے ہی والی ہے۔"

"نانا ابا گھر پر نہیں ہیں۔" وہ سنی ان سنی کر گئی۔

"ہاں تو ہمیں اتنی بھی جلدی نہیں ہے۔ انتظار کر لیں گے۔"

"آج خان صاحب کی بیٹی کی مہندی ہے۔ میں ادھر جا رہی تھی۔"

"چلی جانا۔ میں کون سا گھنٹوں کے حساب سے بیٹھوں گا۔"

"میرا مطلب تھا کہ اس وقت نانا کی غیر موجودگی میں۔" وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمجھا رہی تھی۔ غازی ٹال گیا اور بولا۔

"اسی لیے آج تم تیاری میں ہو۔ واہ کیا سج رہا ہے یہ سوٹ۔"

"چھوڑیں۔ میری کیا تیاری۔" وہ اداس ہو گئی۔ اور غازی نے غور کیا۔ نہ ہاتھوں میں چوڑیاں نہ کانوں میں آویزے اور نہ گلے میں لاکٹ۔

"آپ بیٹھیں۔ میں یاسر کو بھیجتی ہوں۔" وہ جوابی تفصیل سے دیکھ رہا تھا اسے کچھ تو کہنا تھا۔ غازی کرسی پر بیٹھنے لگا تو چوڑیوں نے موجودگی کا احساس دلایا۔ اس نے جیب سے نکال کر میز پر رکھ دیں کہ ان کی موجودگی میں بیٹھتے ہوئے خطرہ ہی رہتا۔ نازک کانچ ٹوٹ نہ جائے۔

"یہ کیا چوڑیاں!" شہناز کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ وہ دو قدم آگے آئی۔ ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک گئی۔

"کس کی ہیں؟" آنکھوں میں کسی قدر شوخی اور لہجہ اس یقین سے پُر کہ میرے لیے ہی ہوں گی۔

اوہ۔ مجھے یوں جیب سے نہیں نکالنی چاہیے تھیں۔ غازی کو غلطی کا احساس ہوا۔

"کس کی ہیں؟" شہناز ہنس پڑی۔ وہ سمجھی تھی غازی شرارت میں چپ ہے۔ بتا نہیں رہا۔ غازی نے کچھ سوچا گہری سانس کھینچی اور مسکرا کر بولا۔

"میں پہناؤں یا خود پہنو گی۔"

شہناز نے [illegible] لیا اور بولی۔

"پلیز آپ ایسی باتیں مت کیا کریں۔"

غازی کچھ الجھا ہوا تھا۔ اپنے مخصوص انداز میں باتیں نہیں بنا سکا۔ بولا تو بڑی سنجیدگی کے ساتھ۔ کریہ میں تمہارے لیے لایا تھا۔

"غازی صاحب! مجھے اچھا تو نہیں لگتا دل لینا مگر پتا ہے۔ چوڑیاں آج سے سات برس پہلے مجھے میری امی نے لا کر دی تھیں پھر اس کے بعد مجھے حسرت ہی رہی کہ میں۔"

اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ غازی نے میز پر رکھی سرخ کاغذ میں لپٹی چوڑیاں اٹھائیں اور بڑے پاکیزہ سے پیار کے ساتھ پہلے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر دوسرے ہاتھ سے چوڑیاں اس کے ہاتھ میں تھما دیں اور سر تھپک کر گھر سے چلا گیا۔

"غازی! کہاں رہ گئے تھے تم؟" گھر میں امی تیار بیٹھی تھیں۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"بھول گئے آج خان صاحب کی بیٹی کی مہندی ہے اور انہوں نے کھانے پر بلایا ہے۔"

"اچھا! مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔"

"چلو اب تو پتا چل گیا ہے۔ کپڑے تمہارے یہی مناسب ہیں۔ بس اب چلنے کی کرو۔"

"امی! یہ مہندی کی رسم تو لڑکیوں کے لیے ہوتی ہے۔ میں وہاں جا کر کیا کروں گا؟"

"انہوں نے کھانے پر بلایا ہے سب کو۔ چلو اب جلدی کرو۔" امی شاید اس کے انتظار کی وجہ سے بیزار سی ہو رہی تھیں۔ اب وہ خاموشی سے ساتھ ہو لیا۔

خان صاحب کے ہاں جاتے ہی ملاقات جہانگیر سے ہو گئی۔ وہ لوگ بھی مدعو تھے۔ جہانگیر خاصا بیزار سا بیٹھا تھا۔ غازی نے وجہ پوچھی تو پتا چلا۔

"ابا گاؤں سے آ گئے ہیں۔" [illegible] نے امی کے ساتھ زبردست [illegible] ہوئی ہے۔ امی کو تو تم جانتے ہو [illegible] اس عمر میں بھی ذرا سی لڑائی پر روٹھ کر میکے چلی جاتی ہیں۔"

"تمہیں جائیں گی تم موڈ ٹھیک کرو۔ ورنہ خان صاحب بھی سمجھیں گے ان کی خوشیوں سے جل گئے ہو۔"

دونوں باقی لوگوں سے ہٹ کر ایک طرف کرسیاں ڈال کر بیٹھ گئے۔ جہانگیر اپنے امی ابا کے جھگڑے بیان کر کے افسردہ ہوتا رہا اور غازی بھی افسوس کا انداز اپنا کر اور کبھی چہرے پر صرف سنجیدگی طاری کر کے اسے دیکھتا رہا اور دکھڑے سنتا رہا۔ پھر سامنے سے آتی شہناز کو دیکھ کر بے ساختہ ہی اس کے منہ سے اس کا نام نکلا اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شہناز اسے اور اس کے انداز کو دیکھ کر راستہ بدلنا چاہا کہ کسی قسم کی شناسائی ظاہر کرنا بدنامی کو آواز دینا ہی تو تھا مگر وہ بالکل راستے میں آ گیا اور بولا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"اب آرہی ہو اور کیا اکیلی ہی ہو؟"

"نہیں سب آئے ہیں۔ میں تو چچا جان کو بلانے آئی تھی۔ چچی کا پیغام ہے ان کے لیے۔" اس نے جھکی جھکی نظر اور گھبرائے سے انداز میں مختصر لفظوں میں وضاحت کی۔

اور اس دوران جہانگیر مسلسل اس کے طرحدار ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جو بائیں بازو میں ڈالی چوڑیوں سے کھیل رہا تھا۔ موڈ تو بہت ہی خراب تھا۔ اب تو جی چاہ رہا تھا اُٹھ کر غازی کی گردن دبوچ لے۔ یہ چوڑیاں سارا شہر چھان مارا تب اسے پسند آئی تھیں وہ کیسے بھول سکتا تھا ان کا ڈیزائن اور غازی سے کوئی امید بھی نہیں تھی۔ جب وہ شہناسے بات کر کے پلٹا تو اس نے پکڑ لیا۔

"یہ چوڑیاں!" اتنا کہنا تھا کہ غازی نے نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا اور فرار کی کوشش بھی کی۔

"تم نبیث ہو۔ یہ تو مجھے پہلے سے علم تھا مگر اس درجے کے ہو۔ یہ نہیں جانتا تھا۔"

"تم نے خود ہی تو کہا تھا چوڑیاں دے آؤ۔" غازی شرمندہ تھا۔ بات نہیں بن رہی تھی۔

"یہ کہا تھا کیسے دے آؤ؟" جہانگیر نے دھیمی آواز میں دانت پیس کر کہا۔

دراصل میں معاملہ بڑا گمبھیر ہو گیا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو پھر مجھے ساری عمر رونا پڑتا۔ یقین کرو سچ کہہ رہا ہوں۔ ادھر بیٹھو ساری بات بتاتا ہوں۔"

زبردستی اسے کرسی پر دھکیل کر وہ سامنے بیٹھا اور سچ سچ سب بیان کر دیا۔ سن کر ملاقے کے بل کم ہوئے اور جہانگیر نے پُرسوچ انداز میں نظریں اس پر جما کر کہا۔

"اچھا تو یہ وہ لڑکی ہے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ شہنا نام ہے ناں اس کا اور یہ حکیم صاحب کی نواسی ہے۔"

"اسے پردہ نشینوں کے بارے میں اتنی معلومات کہاں سے ملیں۔ تم کیسے جانتے ہو شہنا کے بارے میں؟" —

"حکیم صاحب سے قرآن پڑھا ہے میں نے۔ تب شہنا ان کے پاس آتی رہتی تھی۔ مگر اس حوالے سے میں اب بھی ان کے گھر جاتا رہتا ہوں۔ بہت اچھی نیک اور سعادت مند لڑکی ہے۔ سیدھی سادی اور خاموش میرے لیے چھوٹی بہن کی طرح ہے۔"

"شکر ہے تم نے آخر میں یہ وضاحت کر دی۔" غازی نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"تم کہاں ٹکرا گئے اس سے؟" جہانگیر پوری طرح سنجیدہ تھا۔

"میں کہاں ٹکرایا ہوں تقدیر کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ وہ بھی زبردست اور چوٹ میرے دل پر لگی ہے۔ ہائے۔" غازی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر آہ بھری۔

"غازی! حکیم صاحب بہت پرہیزگار اور شریف انسان ہیں۔"

"ہاں ہاں جانتا ہوں بلکہ میں ہی کیا سارا محلہ ہی جانتا ہے۔"

"پھر بھی تم نے۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور لفظوں کو ترتیب دے کر بولا۔

"وہ لوگ پیسے والے نہیں ہیں مگر خرافت کی دولت سے بڑھ کر اور کیا ہوتا ہے۔ حکیم صاحب بہت بوڑھے ہیں اور باسر ابھی چھوٹا ہے۔ ہم لوگوں کا فرض ہے کہ ہم اس گھر کی لڑکی کو تحفظ دیں۔ اس کی عزت کریں۔ غازی۔ غازی تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"کیا مطلب ہے بھائی تمہارا؟" اب کے وہ چونکا۔

"تم سمجھ تو گئے ہو۔" انداز اب بھی وہی ٹھنڈا اور پُرسوچ تھا۔

"تمہارا مطلب ہے، میں اس لڑکی کے ساتھ سیریس نہیں ہوں۔"

"ہاں اور میں غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا۔"

"بھائی میں لاکھ کھلنڈرا سہی مگر کسی کی عزت و آبرو سے کھیلوں، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے پورے خلوص سے چاہا ہے اُسے اور اپناؤں گا بھی۔"

"سوچ لو غازی! تمہارا یہ وقتی جوش کسی کی زندگی تباہ نہ کر دے۔" وہ اب بھی بے یقین تھا۔

"او ہو یہ وقتی جوش نہیں ہے۔ یہ تمام عمر کا فیصلہ ہے۔"

مگر جہانگیر فکرمند ہی رہا۔ اس نے دوبارہ چوڑیوں کی بات نہیں کی۔ ایسا لگتا تھا وہ اس بات کو بھول

ہی گیا ہے۔"

"میں تمہیں چوڑیوں کے پیسے دے دوں گا۔ نئی لے آنا زیبا تک پہنچا دوں گا۔ سچ اس مرتبہ بھی جو کچھ ہوا، یہ صرف اتفاق ہے۔ میری نیت صاف تھی۔ ویسے بھی اتنا غریب تو نہیں کہ اپنے پلے سے اس کے لیے کچھ خرید نہ سکوں۔"

"پیسے رہنے دو، مگر غازی! تم نے اسے کیسے۔ میرا مطلب ہے وہ لڑکی تمہاری باتوں میں کیونکر آ گئی۔ وہ تو اتنی نیک اور اس قدر شرم و حیا والی لڑکی ہے۔"

"پھر وہی بکواس۔ میری باتوں میں کیونکر آ گئی۔ میں کیا فراڈیا ہوں۔ باتیں بنا کر لوگوں کو پھنساتا ہوں۔" اب غازی نے ناراضگی کا بھرپور اظہار کیا۔

"جو بھی ہے۔ تم نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے غازی۔"

"میرے پاس کوئی علاج نہیں۔" اس نے شانے اُچکائے اور آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگا۔

"سنو غازی! تمہاری امی بھلا ایسے گھرانے میں تمہاری شادی کریں گی جہاں دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے پوری ہوتی ہے۔"

"میری امی کو شرافت سے غرض ہے اور وہ اس خاندان میں بہت ہے۔"

"اچھا تم نے بات کی ہے گھر میں؟"

"نہیں ابھی وقت نہیں آیا۔ جب مناسب سمجھوں گا کر لوں گا۔ تم یہ بتاؤ۔ بارات کی طرف سے جاؤ گے یا لڑکی والوں کے ہاں موجود ہو گے۔" غازی پھر سے پرانے موڈ میں لوٹ آیا تھا۔

"تم بارات کو چڑھاؤ۔ ہم دونوں طرف سے شامل ہوں گے۔"

"اور تمہاری بارات کب تک چڑھ رہی ہے؟"

"ہا۔ میری بارات کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ ان میں سب سے بڑی رکاوٹ زیبا کے والد محترم ہیں۔"

"کبھی بڑی رکاوٹ دادا میاں ہوا کرتے تھے۔" اس نے یاد دلایا۔

"ہاں مگر اب وہ کچھ نرم پڑ گئے ہیں۔ یہ میرا اندازہ ہے۔ ویسے دادا گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں یہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"فکر نہ کرو، تمہارے راستے کی ساری رکاوٹیں گرتا چلا جاؤں گا۔ بس زیبا کو تھوڑا ڈراما کرنا پڑے گا۔"

"او ہو ایک تو تم ڈرامے بہت کرواتے ہو۔" جہانگیر کو بات پسند نہیں آئی۔

"سنو تو ترکیب بڑی اچھی ہے۔ بس زیبا کو بیمار بننا پڑے گا۔ تم اس کے ابا کو اطلاع کر دینا کہ جلدی پہنچیں پھر جب ابا آ جائیں گے تو میں ڈاکٹر کے حلیے میں آؤں گا اور کہہ دوں گا لڑکی کی حالت سخت خراب ہے۔ علاج یہی ہے کہ شادی کر دی جائے۔ یہاں سے خالہ یعنی تمہاری امی کی انٹری ہو گی اور جذباتی انداز میں زیبا کو گلے لگا کر اعلان کریں گی کہ میں اپنے اکلوتے بچے کے ساتھ اس بیمار لڑکی کی شادی کرتی ہوں۔ تم آگے بڑھو گے اور پھوپھا کے قدموں میں گر کر کہو گے۔ خدا کے لیے مجھے فرزندی میں قبول کر لیجیے۔ اس دوران میں بیماری کی خوفناک تفصیلات دُہراتا رہوں گا۔ پھوپھا تھرتھری لیں گے۔ آنکھ سے بہتے آنسوؤں کا احساس نہ کرتے ہوئے انہیں بہنے دیں گے۔ جھک کر تمہیں قدموں سے اٹھائیں گے اور میرا بھی گلہ کر کے لگا لیں گے۔ اب یہاں پر دادا ابا گڑبڑ کر سکتے ہیں مگر ان کا علاج بھی ہے میرے پاس۔"

"بند کرو یہ بکواس۔ یہاں کوئی فلم نہیں بن رہی۔"

"جانتا ہوں فلم نہیں بن رہی مگر یہ ترکیب ہے بڑی کارآمد۔ تم سو فیصد کامیاب ہو گے۔"

"یقیناً اپنی شادی کے لیے بھی کوئی ایسا ہی منصوبہ بنا رکھا ہو گا۔" جہانگیر نے طنز سے کہا۔

"وہ تو بڑا ہی زبردست ہے۔ بس عمل کرنے کی دیر ہے۔ نانا ابا مجھے گلے لگا کر رو رہا تھا۔ چومیں گے اور امی شہنا کی بلائیں لیتے نہیں تھکیں گی۔"

"پھر ہو گئی تمہاری شادی۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گوٹے والا بادامی دوپٹا اوڑھے جہانگیر کی امی اِدھر چلی آئیں۔

"ارے واہ خالہ! خالو کے آنے کی دیر تھی آپ بھی دل لگا کر تیاری میں ہیں۔ سچ کہتا ہوں لڑکیوں کو مات کر رہی ہیں۔ کہاں ہیں خالو کوئی بلائے اور ایک جھلک دکھائے۔"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"اے چپ کر بدتمیز۔" وہ جھینپ گئیں۔
"ادھر کیسے؟" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا کہ وہ
لگ ہی بڑی دلچسپ رہی تھیں۔
"تمہارے خالو کو ڈھونڈ رہی ہوں۔"
"اوہو۔" غازی نے جہانگیر کی طرف دیکھا۔ اب
دونوں ہنسنے لگے۔
"بے ہلا۔ تو چپ کر ذرا بڑوں کا ادب نہ لحاظ
ارے کام ہے اُن سے۔" وہ پٹ گئی تھیں۔
"خالہ! کام بھی ہوتے رہیں گے۔ پہلے مجھے یہ بتائیں
بھائی کی شادی کب کر رہی ہیں؟ سچ اب تو ایک ہی
خواہش رہ گئی ہے کہ زیبا کو بھابی کہوں۔"
"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اللہ وہ دن بھی لائے گا،
بڑی ہی پیاری بچی ہے۔ باپ کے ظلم کا شکار، مظلوم
بن ماں کی بے چاری بچی، میں تو بے تاب ہوں اُسے
دُلہن بنا کر اپنے گھر لانے کو۔"
"اچھا مگر یہ جہانگیر بھائی تو کہہ رہے تھے۔ اُس کے
ابا مشکل ہی سے مانیں گے۔"
"اے دفع دُور۔ اس کے باپ کو کون پوچھتا ہے
وہ نانا کے گھر ہی ہوئی ہے اور نانا راضی ہے۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔ باپ بھلا کون ہوتا ہے
"مانگ اڑانے والا۔" غازی نے بظاہر بہت سنجیدگی سے
اتفاق کیا۔
واپسی پر غازی ماں سے پوچھ رہا تھا کہ محلے کے
کون کون سے لوگ آئے تھے۔ ذہن میں یہ بات تھی
کہ شاید آس پاس کے نام لیتے لیتے امی حکیم صاحب
کی نواسی شہنا کا بھی ذکر کر دیں۔ مگر امی کے سر میں درد
تھا۔ کہنے لگیں۔
"میں جاتے ہی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ کون
آیا۔ کون گیا۔ مجھے نہیں پتا۔" اور غازی کو خاصی مایوسی
ہوئی۔

وہ بچی کو پہچان لیا تھا۔ یونیفارم میں ملبوس
وہ لڑکی مجھ کے کیلئے سے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ شہنا
شہنا ہی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل بالکل قریب لا کر
روکی تو وہ دُور کی ایک طرف ہو گئی۔
"آداب۔ عرض کرتا ہوں کیسے مزاج ہیں؟" غازی
اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرایا۔
"راستے میں کیوں روکا ہے؟" اُس نے ادھر اُدھر
نظر دوڑا کر پوچھا۔
"اتنا بھی حق نہیں دو گھڑی رُک کر تم سے بات
ہی کر لوں۔"
"اچھا نہیں لگتا۔ کسی نے دیکھ لیا تو۔"
مگر غازی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں بولا۔
"آؤ بیٹھو میں چھوڑ آتا ہوں۔"
"جی!" اس نے حیران نظر اس پر ڈالی اور اسے
واقعی سنجیدہ دیکھ کر بولی۔
"میں چلی جاؤں گی یہ قریب ہی تو ہے گھر۔"
"بیٹھ جاؤ ناں شنوا وعدہ کرتا ہوں گھر ہی
چھوڑ کر آؤں گا۔"
"غازی! آپ سمجھتے کیوں نہیں۔" اب کے وہ قدرے
پریشان ہو کر بولی تھی۔
"سب سمجھتا ہوں۔ نخرے کرتی ہو اہمیت بڑھانے
کے لیے۔"
"نہیں۔ میں نے بھلا کیا نخرے کرنے ہیں۔"
"میرا جی چاہتا ہے کسی روز تمہارے ساتھ شہر کی
سڑکوں پر خوب گھوموں خوب باتیں کروں تم سے،
تم کالج تو جاتی ہو کسی روز آجاؤ ناں میرے ساتھ۔"
"غازی صاحب!" اب کے وہ روہانسی ہو گئی اور
چادر کو کچھ اور بھی چہرے کے آگے کر لیا۔
"اس میں بُرائی کیا ہے، کیا تم مجھ سے واقف نہیں ہو
تمہیں شک ہے مجھ پر؟"
"شک کی بات نہیں ہے بس اچھا نہیں لگتا اور
اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔" شہنا نے آگاہ کر قدم
آگے بڑھا دیے۔
وہ تو چلی گئی مگر یہ خواہش غازی کے دل سے نہ
جا سکی۔ زور پکڑتی رہی، کبھی بھی شہنا سے کھل کر بات
کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ جب بھی اُس کی طرف
گیا بس چند جملوں کا تبادلہ ہوا۔ میں تو یہ بھی نہیں
جانتا۔ وہ کیا سوچتی ہے۔ کیا چاہتی ہے۔ کیسے خواب
دیکھتی ہے۔ اگر وہ میری بات مان لے میں زیادہ
وقت تو نہیں لوں گا۔ بس تھوڑی سی دیر گھر آ کر وہ
اسی کے بارے میں سوچتا رہا اور منصوبے بناتا رہا۔

جب وہ ساتھ ہو گی تو یہ باتیں کریں گے۔ ہم دونوں
اکٹھے وہاں جائیں گے، یہ کھائیں گے، وہ کھائیں گے
اس نے پکا ارادہ کر لیا۔ آج شام کو ضرور حکیم صاحب
کی طرف جائے گا اور شہنا سے بات کرے گا۔

اور اُس روز اُسے شہنا سے بات کرنے کا ٹائم
بھی زیادہ مل گیا کہ حکیم صاحب نہا رہے تھے۔ شہنا نے
بیٹھک اس کے لیے کھولنے کے بعد پلٹ جانا چاہا کہ
دوپہر کو جو بات اس نے کہی تھی اُسے دھڑکا تھا دوبارہ
اُسی خواہش کا اظہار نہ کر بیٹھے۔
"تم کہاں بھاگی جا رہی ہو شنوا آؤ بیٹھو ناں۔"
"وہ میں کھانا بنانے لگی تھی۔"
"جی مجھے پتا ہے۔ آپ کو سات آٹھ ڈشز تیار کرنا
ہیں۔ وہ بھی سو پچاس آدمیوں کے لیے۔ اس میں وقت
تو واقعی کافی لگ جاتا ہے لیکن آپ ہم غریبوں کی بھی
سُن لیں عنایت ہو گی۔"
اب اسے بیٹھنا ہی پڑا۔
"شہنا! کل تم کالج جاؤ گی؟"
"جی۔" وہ اتنا کہہ کر سوالیہ انداز میں اس کی طرف
دیکھنے لگی۔
"آخری ایک دو پیپر ڈمت لینا۔ میں گیٹ پر
تمہارا انتظار کروں گا۔ زیادہ وقت نہیں لوں گا تمہارا
بس تھوڑی دُور جائیں گے۔"
"مگر کیوں؟" شہنا خاصی پریشان ہو گئی تھی۔
"بہت کچھ کہنا ہے تم سے۔"
"یہاں کہہ دیں۔"
"یہاں، ہو نہہ ابھی کوئی خاتون ڈھاکرانے یا نسخہ لینے
چلی آئیں گی یا پھر خود نانا میاں ہی آ جائیں گے۔ یہاں
میں خاک بات کروں تم سے۔ بس کل کا پروگرام بنتا ہے۔"
"نہیں نہیں غازی صاحب! خدارا آپ میری پوزیشن
دیکھیں۔ میں بھلا کس طرح؟" اتنا کہہ کر وہ ہاتھ سے
پیشانی مسلنے لگی۔
"شہنا اگر اتنی بے اعتباری تھی تو مجھے یہاں تک لائی
ہی کیوں تھیں؟" غازی کا لہجہ اچانک بہت سرد اور
بے گانہ ہو گیا تھا۔ شہنا نے گھبرا کر اس کی جانب دیکھا
اور بولی۔
"آپ ناراض نہ ہوں۔ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میرا مطلب
یہ نہیں تھا جو آپ سمجھے ہیں تو لوگوں کی وجہ سے کہہ
رہی تھی۔"
لفظ اس کے گلے میں اٹک رہے تھے اور رُک
رُک کر وضاحت کر رہی تھی۔
مگر غازی کی پیشانی کے بل کم نہیں ہوئے۔ مرد
بہت دیر تک محبت صرف دے نہیں سکتا۔ جب
عورت کے دل میں اپنا خیال جگا دیتا ہے تو پھر لینا
چاہتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ، جتنا خود اس نے
دیا ہوتا ہے، وہ پھر سود کے ساتھ وصول کرتا ہے۔
یہ اس کی فطرت ہے اور غازی بھی جانتا تھا۔ اب
شہنا کے دل میں وہ ہی وہ ہے، وہ اپنے دل پر
اختیار نہیں رکھتی۔ اس کی ناراضگی سہہ نہیں پائے گی
اُسے بات ماننا پڑے گی۔ کل مرد وفاؤں کا یقین دلانے
کو جھکا جاتا تھا آج یہ جان کر کہ اب عورت کا دل
اس کی محبت کا اسیر ہے۔ وہ منوانے پر اُتر آیا تھا۔ محبت
اب بھی دل میں دھڑکتی تھی۔ آج بھی اس کی چاہتوں کا
مرکز وہی تھی مگر کب تک اُس کی مانتا۔ اسے اب اپنی
منوانا ہی تھی۔
"میں ایسا نہیں کر سکوں گی۔ میں نانا کو دھوکا نہیں
دے سکتی۔ پلیز غازی صاحب! آپ ناراض نہ ہوں۔
میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں ہر قدم سوچ
کر اٹھانے والی ڈری سہمی لڑکی ہوں۔ میں غازی صاحب!"
مگر غازی نے اس کی پوری بات سننے کی زحمت
ہی نہیں کی۔ جھٹکے سے اُٹھا۔ راستے میں پڑی ایک کرسی
کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر ایک طرف گرایا اور شہنا
کی التجاؤں کی پروا کیے بغیر چلا آیا۔
"وہ ناراض ہو گیا ہے۔" یہ سوچ کر ہی شہنا کے
تو دل کی دھڑکنیں رُکنے لگیں۔ وہ اپنے قدموں پر
کھڑی نہیں رہ سکی۔ تخت پر گرنے کے انداز میں بیٹھی
اور رونے لگی۔ یہ تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ غازی
اتنا پیار جتانے والا۔ اسے سمجھنے کا دعوے دار یوں
ذرا سی بات پر ناراض ہو کر اس کی کوئی بات سنے بغیر
یوں اُٹھ کر چلا جائے گا۔ یہ کیا ہو گیا۔ یہ محبت میں۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

میرا کچھ تو خیال کیا ہوتا۔ میں نے کیا سمجھا تھا۔ آپ اور آپ اتنی سی بات پر۔ نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں آپ کو کھو نہیں سکتی۔ آپ کو میرا کچھ تو خیال کرنا ہوگا آپ مجھے یوں نہیں چھوڑ سکتے غازی! دل میں جو نام ہے، میں اسی نام کے ساتھ اپنا نام دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں دھوکا نہیں دے سکتی۔ آپ نے چھوڑ دیا تو دیکھ لینا۔ ساری عمر میں اسی نام پر بیٹھوں رہوں گی۔"

"شہنا بیٹی! شہنا!" نانا آوازیں دے رہے تھے۔ وہ آنسو پونچھ کر خود کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج کل میں بارش ہونے والی ہے۔" غازی کرسی پر نیم دراز ہونے کی کوشش میں مصروف تھا اور ساتھ ساتھ جہانگیر کو مطلع کر رہا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ مسکرا دیا۔

"جب ابابیلیں نیچے نیچے اڑیں۔ پرندوں کی چہچہاہٹ میں عجیب سی سرخوشی شامل ہو تو سمجھ لو بس بارش آنی کہ آنی۔"

"اچھا۔ آج کل تمہاری توجہ پرندوں کی جانب ہے۔"

"میری توجہ ہر طرف رہتی ہے اور تم صرف باتیں نہ بناؤ۔ میرے لیے اچھی سی چائے بھی بنا کر لاؤ۔"

"یہ کون سا موسم ہے چائے کا۔" جہانگیر نے منہ بنایا۔

"اچھا پھر جس چیز کا موسم ہے، وہ لے آؤ۔"

"تم کو جو کچھ کھانا ہے ناں۔ اندر چلے جاؤ امی کے پاس اور کھا لو۔ مجھے کچھ مت کہو۔"

"دیکھ لو پھر۔" غازی نے جیسے دھمکایا۔

"کیا دیکھ لوں۔ بس جاؤ اندر۔ مجھے آرام کرنے دو۔ کچھ دیر بعد لڑکے پڑھنے آجائیں گے۔"

دو دن ہو گئے تھے غازی شہنا کی طرف نہیں گیا تھا۔ دل میں خیال تو آتا تھا مگر غصہ اور انجن بھی تھی آخر اس نے کیوں میری بات نہیں مانی۔ کیا سمجھتی ہے وہ مجھے۔ اسے احساس ہونا چاہیے تھا کہ شریف لڑکی کے لیے کیا کرنا کتنا مشکل ہے۔ وہ تو تمام عمر کے لیے اپنوں کی نظر میں بے اعتبار ہو جائے گی۔ اس کے لیے بات مانے سے انکار کیا تھا۔ اس پر غصہ اور ضد سوار تھی۔ مگر یہ خیال دل میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں آیا کہ بس سلسلہ ختم۔ آئندہ شہنا سے نہیں ملنا اور نہ ہی یہ سوچ ابھری کہ شہنا نے غلط سمجھا ہے اور اب وہ ہر تعلق توڑ لے گی۔ شاید مرد کو خود پر یہ یقین ہوتا ہے یا پھر وہ عورت کی کمزوری جانتا ہے۔ ایک بار دل میں جسے بسا لیا پھر اسی کی ہو بیٹھتی۔ وہ ہزار بار روٹھے گا تو ہزار بار قدموں میں گر کر منائے گی۔ ہستی مٹا ڈالے گی مگر اس کے دل سے اپنا نام نہیں مٹنے دے گی۔ جبکہ عورت، اسے خود کو وار کر بھی یہ یقین نہیں ہوتا کہ تمام عمر کے لیے اس دل میں گھر بنا لیا ہے اب بے دخل نہیں ہو سکتی۔ وہ ہمیشہ خود کو ہواؤں کی زد پر محسوس کرتی ہے۔ یہی حال شہنا کا تھا۔ اسے کسی پل قرار نہیں تھا۔ وہ منتظر تھی۔ ہر آہٹ پر چونک جاتی تھی اور پھر مایوس ہو کر رونے لگتی تھی۔

"میں کیا کروں! کیسے مناؤں انہیں! میں تو ان کے گھر سے بھی واقف نہیں ہوں۔ اور اگر ہوتی تب بھی میں وہاں کیسے جا سکتی تھی۔ وہ بہت ناراض ہو گئے ہیں۔ اب نہیں آئیں گے۔"

بہت سوچ کر آخر وہ سلمیٰ کی طرف آ گئی۔ سلمیٰ کا میاں آج کل میں ملک سے باہر جانے والا تھا۔ وہاں ایک افراتفری کا عالم تھا۔ بات نہیں ہو سکی۔ کچھ دیر بیٹھ کر وہ واپس لوٹ آئی۔ بیٹھک میں نانا کے پاس کوئی موجود تھا۔ باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ شاید غازی۔ اس کا دل دھک سے اٹھا۔ وہ قدموں وہ بیٹھک کے دروازے کے قریب آئی اور کان لگا کر آوازوں کو سننے کی کوشش کی اور مایوس ہوئی۔ وہ غازی نہیں کوئی اور تھا۔

ایسا کیوں ہوتا ہے۔ جسے ہم خود سے بڑھ کر چاہتے ہیں۔ وہی چھوڑ جاتا ہے۔ بھول جاتا ہے، شاید ہماری محبت اسے مغرور بنا دیتی ہے۔ اہمیت کا احساس برتری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب تک یہ احساس تھا کہ آپ میرے ہیں، میں دل کے ساتھ ساتھ اس دنیا کو بھی شاد آباد دیکھتی تھی مگر اب جیسے ہر سو ویرانی چھا گئی ہے۔ یہ احساس صرف مجھے ہی کیوں ہے۔ آپ کیوں ایسا محسوس نہیں کر رہے۔ کیا میں نے اعتبار کر کے غلطی کی ہے۔ جو مجھے یوں ایک ذرا سی بات پر چھوڑ کر جا

سکتا ہے۔ اسے میری ناموس کا کیا خیال ہوگا۔ وہ میرے اور اپنے قصے کو خود تک محدود نہیں رکھے گا۔ سب سے کہہ دے گا اور میرے نانا جان اس بڑھاپے میں میری وجہ سے صرف میری وجہ سے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

کیا غازی کا دل مجھ سے بھر چکا ہے؟ وہ اس بات کو بہانا بنا کر واپس لوٹ گئے ہیں۔ اب وہ کبھی نہیں آئیں گے۔ شہنا کو کبھی بدنامی کا احساس ڈرانے لگتا اور کبھی یہ خیال کہ اس کا پہلا پہلا اور باکیزہ پیار ہمیشہ کے لیے روٹھ گیا ہے۔ اس کی سانسوں کو الجھانے لگتا۔

غازی رات سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو اسے پھر شہنا کا خیال آ گیا۔

بے وقوف لڑکی! ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا۔ مجھے یاد تو کرتی ہوگی۔ انتظار تو ہو گا اسے میرا۔ اچھا ہے اس کے ساتھ ایسا ہونا چاہیے۔ اس نے بے دردی سے سوچا اور کروٹ بدل لی۔ اس روز مجھے بار بار روک رہی تھی۔ میرے یوں اٹھ کھڑے ہوتے پر گھبرا گئی تھی۔ وہ اس کی سوچ سے خود کو آزاد نہیں کر سکا۔ مگر یہ خیال ایک بار بھی نہیں آیا کہ اب ایسی بات نہیں کہوں گا۔ اسے پسند نہیں تو پھر میں بھی ضد نہیں کروں گا، وہ مرد تھا اور عورت اس کی محبت کی اسیر۔ پھر اپنی بات کیوں چھوڑ دیتا۔

وہ رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔

نانا مغرب کی نماز کے بعد اس وقت تک گھر لوٹ آتے تھے مگر آج یاسر اکیلا ہی آیا اور بتایا کہ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ بات کر رہے ہیں۔ دیر سے ہی آئیں گے۔ اور باجی میں جہانگیر بھائی کی طرف جا رہا ہوں انہوں نے کہا تھا اگر پڑھائی میں کوئی مشکل ہو تو مجھ سے پوچھ لیا کرو۔ تھوڑی دیر بعد آ جاؤں گا۔"

وہ کتابیں لے کر ابھی کمرے سے نکلا ہی تھا کہ باہر کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"شاید غازی!" یاسر بھاگ کر دروازہ کھولنے کی ہوئی۔ مگر اس سے پہلے یاسر بھاگ کر دروازے تک پہنچ گیا۔

"غازی بھائی! نانا تو گھر پر نہیں ہیں۔" شہنا نے یاسر کی آواز، بخوبی سنی اور غازی کا جواب بھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اچھا میں پھر کبھی آ جاؤں گا۔"

مگر اتنی دیر میں وہ دروازے تک آ گئی اور کہا۔

"ٹھہریں غازی۔"

آواز پر غازی نے بھی قدم روک لیے۔ یاسر کو جانے کی جلدی تھی۔ وہ چلا گیا اور شہنا نے التجا کے انداز میں اسے کہا کہ وہ اندر آ جائے۔ غازی آ تو گیا مگر انداز روٹھا روٹھا سا تھا۔ شہنا کے دل کو دھچکا لگا۔ وہ تو کبھی اتنے دنوں بعد جو آج چلا آیا ہے تو غصہ اتر ہی گیا ہوگا مگر وہ شاید نانا جی سے کسی کام کی وجہ سے ملنے آیا تھا۔

وہ بیٹھک میں آ تو گیا مگر بیٹھا نہیں۔ کرسی کی بیک پر دونوں ہاتھ جمائے۔ بیگانے سے انداز میں کھڑا تھا اور نگاہیں نیچے فرش پر جمائے رکھی تھیں۔

"ناراض ہیں مجھ سے؟" شہنا کی آواز میں آنسوؤں کی گھلاوٹ تھی۔ اس نے جواب نہیں دیا بس یونہی کھڑا رہا۔

"پلیز غازی! یوں مت کریں۔ میں مر جاؤں گی۔"

اس نے روتے ہوئے کہا اور قریب آ کر التجا کے رنگ میں غازی کے دونوں ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی مگر آنسوؤں کی روانی میں اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس کی بے بسی اس کے آنسو اس کی محبت اس کا انداز، ابن آدم کے دل میں سکون اطمینان اور غرور لہریں لینے لگا۔ اب متوجہ ہونے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ بار تو وہ مان چکی تھی۔ غازی نے اپنے ہاتھوں پر دھرے اس کے ٹھنڈے یخ ہاتھ اپنے زندگی کی حرارت سے بھرپور ہاتھوں میں لے لیے اور بولا۔

"اب بتا چلا کیا ہوں میں۔ اتنی آسانی سے مجھے ٹال نہیں سکتیں تم شنو جی!"

پھر جھک کر بولا۔

"شنو کہنے پر برا تو نہیں مانا؟"

وہ اپنے پرانے انداز میں لوٹ آیا تھا۔ اس نے قصور معاف کر دیا ہے۔ شہنا کے دل سے جیسے بوجھ سرک گیا۔ اس نے گہری سانس کھینچی اور مسکرا دی۔

"یاد کیا تھا مجھے؟" وہ پورے رقت کے ساتھ پوچھ

UrduPhoto.com

رہا تھا۔

اور شہنا میں اب اتنی جرأت نہیں تھی کہ اسے ستانے کو جھوٹ موٹ ہی نفی میں سر ہلا دیتی۔

"تم کیا سمجھی تھیں۔ میں ناراض ہو کر ہمیشہ کے لیے چلا گیا ہوں۔ اب نہیں مانوں گا۔"

"ہاں اتنے روز سے آئے جو نہیں۔"

"کیسے آتا۔ مجھے غصہ جو اتنا تھا تم پر۔ مگر یہ جو دل کے قصے ہوتے ہیں ناں یہ ایک بار شروع ہو جائیں تو پھر ختم نہیں ہوتے۔ آج نہیں تو کل مجھے آنا ضرور تھا۔ قول دیا ہے تمہیں اسے نبھاؤں گا بھی۔ سونے سے پہلے ہر رات یاد کرتا تھا تمہیں۔"

پھر اسے مسکراتے دیکھ کر بولا۔

"نہایت بُرے لفظوں میں۔ سچ بہت ضدی ہو تم۔ کتنے شوق سے میں نے ایک بات کہی اور تم نے صاف انکار کر دیا۔"

"چلے لاؤں آپ کے لیے؟" وہ پھر اسی بات پر آ رہا تھا۔ شہنا نے جلدی سے موضوع بدلنا چاہا۔

"رہنے دو۔ تم کیا چائے بناؤ گی۔ چائے تو میری ماں بناتی ہے۔" پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ "بندہ ایک بار پی لے تو پھر چائے پینے سے ہی توبہ کر لیتا ہے۔"

"اگر یہ بات آپ کی امی سن لیں تو۔" شہنا نے ہنسی کے درمیان کہا۔

"ارے میں تو ان کے منہ پر کہتا ہوں۔ مگر انہیں نانے اپنی بنائی چائے پر۔ میرے کہے کا اعتبار نہیں کرتیں۔"

"آپ کے کہے کا اعتبار تو کسی کو نہیں کرنا چاہیے۔ میں ہی پاگل تھی۔" اس کا موڈ خوشگوار ہوا تو اس نے ناراضگی دکھائی۔

"دیکھو، زیادہ مت پھیلو۔ پھر چلا گیا تو مہینہ بھر نہیں آؤں گا۔"

"مجھے پتا ہے آپ ایسے ہی ہیں۔" شہنا پھر روہانسی ہو گئی۔ غازی ہنستے ہوئے کرسی پر آ بیٹھا اور بولا۔

"لڑکی آپ بے اعتباری بھی اچھی نہیں۔ میں نے نانی سے کہا تم نے دل پر لے لیا ہے۔"

"آپ نے بہت بُرا کیا ہے میرے ساتھ۔"

"اور تم نے میرے لیے جو کیا ہے ناں۔ اب میری بات ٹالنے سے پہلے سو بار سوچو گی۔"

"میں تو خیال کرتی تھی کہ آپ مجھے سمجھتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ میں کتنی تنہا، اداس اور ڈرپوک لڑکی ہوں مگر میرا خیال غلط تھا۔"

"او ہو پھر رونے کا پروگرام سارے بابا! واپس بھی آ گیا ہوں اور ان تین دنوں میں اللہ میاں سے یہی دعا مانگتا رہا ہوں کہ اے میرے اللہ تو شہنا کو ہمت و حوصلہ عطا فرما کہ وہ میری ناراضگی کے یہ دن آرام سے کاٹ سکے۔"

"آج بھی میں نے بلایا تھا۔ نہ بلاتی تو آپ واپس چلے جاتے۔"

"چلا جاتا تو پھر آ جاتا اور تب تک آتا ہی رہتا جب تک تم بلا نہ لیتیں یہ اور بات کہ بہانا ہر مرتبہ نانا میاں کا ہی ہوتا۔ اصل میں ناک بڑی اونچی ہے ناں میری اور یار! مجھے منا لیا، بلانے میں پہل کر لی تو کون سا تمہاری عزت گھٹ گئی ہے۔ بلکہ میری نظر میں تو تمہارا مقام بہت بلند ہو گیا ہے۔"

غازی سے باتوں میں کون جیت سکتا تھا اور وہ تو معصوم سی لڑکی تھی۔ کوئی مقابلہ تھا ہی نہیں۔ اسی میں خوش تھی کہ وہ مان گیا ہے۔

"اچھا اب چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کے قریب پہنچ کر بولا۔ "کل میں تمہارے کالج کے گیٹ پر ایک بجے کے قریب پہنچ جاؤں گا۔ تم آ جانا۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، وہ باہر نکل گیا۔ اور شاید اسے کہنا بھی کچھ نہیں تھا۔ پھر ناراض کرنے کا حوصلہ جو نہیں تھا اس میں۔

وہ چلا گیا اور جو خوشی اس کے مان جانے سے ہوئی تھی۔ اب اس بات سے کافور ہو گئی۔ میں کیسے جاؤں گی ان کے ساتھ، کیا کہوں گی نانا جان سے اور اگر نانا جان سے کوئی بہانا بنا بھی لوں تو تب بھی یوں ان کے ساتھ جانا کتنا غلط بات ہے اور اس کی ضرورت ہی کیا ہے جو کہنا ہوتا ہے یہاں گھر میں بھی تو کہہ لیتے ہیں بس اب یونہی ضد پر آ گئے ہیں۔ صرف اپنی منوانے کے لیے اتنا زور ڈال رہے ہیں ورنہ بات تو کچھ بھی نہیں۔ غازی کو میری مجبوریوں

کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ یوں نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اس طرف الجھن اور کچھ غصہ بیک وقت سوار تھے۔ اور دل میں یہ خیال بھی تھا کہ غازی صرف اپنی منوانا چاہتے ہیں۔ انہیں میری بات کی کوئی پروا نہیں مگر ان سب باتوں کے باوجود اس کی مجبوری بھی کر انکار نہیں کر سکتی تھی، اس کی بات ہر حال میں ماننا ہی تھی۔ وہ غازی کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

رات کو وہ ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں سکی ذرا سی آنکھ لگتی تو یہی دیکھتی۔ نانا نے اس کی یہ چوری پکڑ لی ہے اور وہ ان کے سامنے سر جھکائے کھڑی اپنے جرم کی معافی مانگ رہی ہے۔

"او غازی کس عذاب میں مبتلا کر دیا مجھے، خود تو بڑے آرام سے پڑے سو رہے ہوں گے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بستر پر بیٹھی تھی۔

صبح بھائی اور نانا کو ناشتا دیا۔ خود اس کا دل کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ نانا سے آنکھ نہیں ملا پا رہی تھی۔ میرے اتنے نیک، پرہیزگار نانا جی کس کس مشقت سے ہمیں پال رہے ہیں اور میں چلی ہوں اس بڑھاپے میں انہیں رسوا کرنے، بار بار اس کی پلکوں پر ستارے چمکنے لگتے تھے۔ دل گھبرا رہا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ ابھی ہو جائے گا۔ کیا میں غازی پر اعتبار کر کے غلطی کر رہی ہوں۔ یہ سوچ پہلے ذہن میں نہیں آئی تھی رات کو اسے صرف یہ ڈر تھا کہ غازی کے ساتھ کوئی دیکھ لے مگر اب جو یہ خیال آیا تو ٹھٹک گئی۔ وہ میرا کیا لگتا ہے۔ کچھ بھی تو نہیں اور وہ بار بار اس خواہش کا اظہار کیوں کر رہا ہے۔ اسے پسینہ آ گیا۔

"میں نہیں جاؤں گی ان کے ساتھ۔ ناراض ہوتے ہیں تو ہوں مگر ایسی غلط بات ہرگز نہیں مان سکتی۔" کام نپٹانے کے دوران اس نے فیصلہ کر لیا۔

پھر جب کالج کے لیے تیار ہو کر وہ صحن میں آئی تو نانا، یاسر کو کچھ سمجھا رہے تھے۔

"نانا جی میں شاید آج دیر سے واپس آؤں۔ کچھ کام ہے کالج میں۔"

اپنے فیصلے کے باوجود یہ الفاظ اس کے منہ سے نکل گئے تھے اور وہ حیران تھی کہ جب یہ طے کر لیا تھا اس کے ساتھ نہیں جانا پھر ایسا کیوں کہا۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ ایک چور ہر انسان کے اندر بیٹھا ہوتا ہے اور وہ اسے اکساتا رہتا ہے۔ کالج میں سارا وقت بے قراری، بے چینی کے عالم میں گزرا۔ سہیلیوں سے کٹ کر وہ ایک طرف بیٹھی رہی۔ جس نے بھی پوچھا یہی کہا: "طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" جوں جوں غازی کا دیا وقت قریب آ رہا تھا۔ اسے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ کبھی سوچتی میں باہر ہی نہیں جاؤں گی خود ہی انتظار کر کے واپس چلے جائیں گے مگر جب اس کی ناراضگی کا خیال آتا تو یہ سوچ عذاب بن کر اُتر جاتی۔ پھر اسے پتا بھی نہیں چلا۔ مقررہ وقت پر وہ خود ہی گیٹ پر آ گئی۔ غازی موٹر سائیکل لیے سامنے ہی کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرا دیا، مگر وہ جواب میں مسکرا بھی نہیں سکی۔ چادر کو اچھی طرح اوڑھ کر وہ اس کے قریب چلی آئی۔

"آؤ بیٹھو۔"

وہ بہت مسرور دکھائی دیتا تھا۔ شہنا خاموشی سے اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

"ڈر رہی ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"آپ کو اس سے کیا؟" اس کا لہجہ گلوگیر تھا۔

"یار! حوصلہ پکڑو۔ تم تو بچوں کی طرح ذرا ذرا سی بات پر آنسو بہانے بیٹھ جاتی ہو۔ دیکھو موسم کتنا اچھا ہے۔"

"آپ کے لیے ہوگا۔" وہ اس کے ساتھ آ تو گئی تھی اب خود پر بھی اور اس پر بھی شدید غصہ آ رہا تھا۔

"موڈ ٹھیک کرو اپنا ورنہ یہیں دھکا دے دوں گا۔" غازی نے اسپیڈ بڑھا دی۔

شہنا کو مارے خوف کے اسے پکڑنا پڑا پھر بولی۔

"ہر بات میں اپنی مرضی کرتے ہیں اور خدا کے لیے آہستہ چلائیں۔ ڈر لگ رہا ہے مجھے۔"

"کیا کھاؤ گی؟" غازی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ وہ لب بھینچ کر بیٹھ گئی۔ جواب نہیں دیا۔

"اگر اب بھی نہ بولیں تو میں اور بھی تیز چلاؤں گا۔"

"غازی پلیز۔" وہ چیخ پڑی۔

"بولو کیا کھاؤ گی؟" اسے اپنی بات کا جواب چاہیے تھا۔

UrduPhoto.com

"جو کھلائیں گے کھا لوں گی" شہنا روٹھے روٹھے انداز میں بولی۔

"ناراض ہو مجھ سے" اب غازی بھی ذرا سنجیدہ ہوا۔

"ہاں بہت زیادہ" اس نے سچائی سے کہہ دیا۔

"نہیں، دیکھو بس تھوڑی دیر کے بعد میں تمہیں کالج کے گیٹ پر اتار دوں گا۔"

"تھوڑی دیر بعد اتاریں یا تھوڑے دنوں بعد میں نانا کے اعتماد کو ٹھیس تو پہنچا ہی چکی ہوں۔"

"ارے نانا کو بھلا کیا پتا، وہ تو یہی سمجھیں گے بچی پڑھنے گئی ہے۔"

"بھلے نہ پتا چلے مگر میرا دل، میں تو ہمیشہ شرمندہ رہوں گی ان سے۔ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔"

"اچھا اچھا اب یہ جذباتی ڈائیلاگ نہ مارو، میرا بھی کچھ خیال کرو۔ آخر تمہیں مجھ سے بھی تو محبت کا دعویٰ ہے۔"

"اور اسی دعوے نے مجھے آج یہ دن دکھایا ہے۔"

"شہنا! شہنا! تم مجھے بور کر رہی ہو۔ حالانکہ جانتی ہو میں غصے کا کتنا خراب ہوں۔"

"ٹھیک ہے خاموش ہو کر بیٹھ جاتی ہوں اب کچھ نہیں بولوں گی۔"

اس کی بات پر غازی کا موڈ بھی خراب ہو گیا۔ ایک اسٹیک بار کے قریب موٹر سائیکل روکی اور اترنے کو کہا۔ اور اسی وقت شہنا نے خود سے کچھ ہی گز کے فاصلے پر موجود خان چچا کو دیکھ لیا۔ وہ ادھر ہی متوجہ تھے۔ جب اس نے دیکھا تو نفرت سے منہ پھیر لیا۔ غازی بھی انہیں اور ان کے انداز کو دیکھ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی بات بنا کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتا (جو کہ فضول ہی جاتی وہ کیسے مطمئن ہو سکتے تھے) وہ ایک رکشے میں سوار ہو کر چلتے بنے اور پھر چہرا ہاتھوں میں چھپا کر شہنا نے رونا شروع کر دیا۔

"اوہو انہیں بھی آج ہی ادھر آنا تھا۔"

غازی خود بھی خاصا پریشان ہو گیا تھا اور اوپر سے شہنا کا رونا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

"کتنا منع کیا تھا میں نے مگر آپ نے میری ایک نہیں سنی" وہ اسی سے لڑ رہی تھی۔

"تم تو چپ کرو" غازی نے ڈانٹ دیا۔

"اب سارے محلے کو خبر ہو جائے گی۔ ہائے میں کیا کروں، نانا جان مجھے معاف کر دیں گے۔"

حالات کی سنگینی کا کچھ کچھ اندازہ غازی کو ہو رہا تھا مگر اتنا نہیں جتنا شہنا سوچ سکتی تھی۔

"آؤ۔ تمہیں کالج تک چھوڑ آتا ہوں" وہ اب خاصا چڑچڑا ہو گیا تھا۔

"نہیں۔ بہت مہربانی آپ کی۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی" آنسو چادر سے پونچھ کر وہ ایک طرف کو چل پڑی۔

غازی گھر آیا تو امی کے پاس جہانگیر کی امی بھی موجود تھیں۔ اپنی گلی سے گزرتے ہوئے اس نے ایک دو بچوں کی آوازیں سنی تھیں کہ غازی بھائی آ رہے ہیں مگر وہ الجھا الجھا سا تھا۔ توجہ نہیں دی۔ موٹر سائیکل گلی میں چھوڑ کر وہ اندر آیا کہ ارادہ تھا کھانا کھا کر دوست کی طرف نکل جائے گا۔ مگر یہاں دونوں خواتین دیکھتے ہی اس کی طرف لپکیں۔

"غازی غازی! نادان لڑکے مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی۔ ایسا نہیں سمجھتی تھی میں تمہیں۔ اسے کچھ تو ہوش سے کام لینا چاہیے تھا۔"

"کیا ہوا امی؟" وہ حیران تھا کہ یہ تو امید نہیں تھی بات اتنی جلدی پھیل جائے گی۔

"کیا ہوا۔ ہم سے پوچھتے ہو۔ کیا ہوا، ارے تمہاری ماں نے جب سے یہ خبر سنی ہے رو رو کر پاگل ہو رہی ہے۔ توبہ میرے اللہ توبہ۔ اتنے نیک نانا کی ایسی نواسی۔"

"غازی آگیا ہے؟" پڑوسن نے دیوار سے جھانک کر پوچھا۔ پھر اس پر نظر پڑتے ہی نیچے اتر گئی۔

"آپ الزام مت لگائیں، وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔"

"دیکھا بہن! کیسا جادو کیا ہے اس نے۔ عقل مار کے رکھ دی ہے" امی پھر رونے لگیں۔

اور جہانگیر کی امی شہنا کو کوسنے لگیں۔ اتنی دیر میں پڑوس محلے کی پانچ چھ خواتین کے ہمراہ چلی آئیں اور شور میں اضافہ ہو گیا۔

"آپ لوگ میری بھی تو سنیں۔ کیوں ایک بے قصور

لڑکی کو بد دعائیں دے رہی ہیں۔ جبکہ سارا کیا دھرا میرا ہے۔ وہ نہیں مان رہی تھی۔ میں نے مجبور کیا تھا۔"

"ہاں وہ تو دودھ پیتی بچی تھی جو تم نے مجبور کیا اور ساتھ ہولی۔ ائے کیا اٹھا کے لے آئے تھے، آئی تو اپنے قدموں پر ہی تھی۔ اور کوئی جان پہچان تھی۔ تبھی تم نے مجبور کیا ناں۔ توبہ کیسی لڑکی ہے۔ نانا بے چارہ کس کس جتنوں سے پال رہا ہے۔ اور اسے کچھ خیال ہی نہیں۔ محلے کے لڑکے تاڑتی ہے۔"

ہر خاتون اظہار خیال کرنا ضروری سمجھ رہی تھی۔ اتنی آوازیں، اتنا شور غازی کی تو کوئی سننے کو تیار ہی نہ تھی۔

"امی! آپ سمجھائیں انہیں۔ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے [illegible]"

"تم اندر چلو" امی نے اسے کمرے کی جانب دھکیلنا چاہا، ساتھ میں جہانگیر کی امی بھی شامل ہو گئیں۔ اب وہ ان بزرگ خواتین سے زور آزمائی کیا کرتا۔ وہ دھکیلتی گئیں اور وہ الٹے قدموں پر کمرے میں آ پہنچا۔ باہر سے انہوں نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔

"اف یہ کیا ہو گیا۔ میری ذرا سی خواہش کا اتنا بھیانک انجام، شہنا ٹھیک ہی انکار کر رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسے یہ خیال آیا کہ شہنا پر کیا گزر رہی ہو گی۔ اب تک تو وہ کالج سے واپس آ گئی ہو گی اور اسی طرح اس کے گھر میں بھی لوگ موجود ہوں گے جو اس کو کوس رہے ہوں گے۔ اسے وارہ کہہ رہے ہوں گے۔ کیا گزر رہی ہو گی شہنا اور بوڑھے معذور نانا پر۔ وہ بے چین ہو کر دروازے کی جانب لپکا۔

"امی! امی! دروازہ کھولیں" امی خدا کے لیے دروازہ کھولیں" اور پڑوسن امی کو سمجھا رہی تھیں۔

"دروازہ مت کھولنا اس کے ابا کو اطلاع کر دو کہ لڑکا ایک آوارہ لڑکی کے عشق میں ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ ابھی وقت ہے۔ اگر سنبھال لیں پھر قابو میں نہیں آئے گا۔"

"ہاں میں ابھی فون کر کے آتی ہوں۔ اس کے ابا کو" امی کھڑی ہوئیں۔ وہ دروازہ پیٹتا رہا اور پکارتا رہا۔

باہر محلے کی خواتین شہنا پر تبصرے فرماتی ہوئیں اور کانوں کو ہاتھ لگا کر اللہ معافی کا ورد کرتی رہیں۔

"کیسے لوگ ہیں یہ، ہمارے سنے بغیر ہی رائے قائم کر لی اور اب کس زور و شور سے تبصرے ہو رہے ہیں۔ امی شاید ابا کو فون کرنے گئی ہیں۔ اف کیسی غلطی کر بیٹھا ہوں میں اور امی! انہیں تو خیال کرنا چاہیے تھا۔ وہ تو اس مزاج کی نہیں ہیں۔ انہیں مجھ سے بات کرنے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کرنا چاہیے تھی۔ خوامخواہ میں سب کے سب اس معصوم لڑکی کی ذات پر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں، ان کے اپنے گھروں میں کیا ہوتا ہے۔ کس کی بیٹی کتنی شریف ہے۔ مگر وہ بے چاری اکیلی ہے نہ باپ کو خیال ہے اور نہ ہی جوان بھائی ہے اس لیے سب کو کھلی چھٹی مل گئی ہے مگر میں یہ سب نہیں ہونے دوں گا۔" وہ ایک بار پھر دروازہ کھٹکھٹانے لگا مگر لگتا تھا خواتین بہری ہو چکی ہیں۔ بیک وقت بول رہی تھیں۔ نہ ایک دوسری کی سن رہی تھیں اور نہ ہی دستک پر دھیان تھا۔

امی، ابا کو فون کر کے واپس آ گئیں۔ اب تک عورتوں کی تعداد میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو چکا تھا جو آتی یہی کہتی۔

"ہائے ہائے غازی جیسا لڑکا جہاں میں آگیا۔ بھئی بہت ہی تیز لڑکی نکلی ہے" اور وہ اندر تلملا کر رہ جاتا۔ یہ کوئی نہیں کہتی کہ غازی نے اسے مجبور کیا وہ اس کی باتوں میں آ گئی۔ سب کی سب شہنا کو الزام دیتی ہیں۔

"پھر بہن کیا کہا تم نے غازی کے ابا سے؟" کوئی خاتون پوچھ رہی تھی۔

"ارے جو بھی کہا ہو گا۔ ٹھیک ہی کہا ہو گا" جہانگیر کی امی نے بات ٹال دی۔

"بہن! تم پریشان نہ ہو۔ اس کے ابا آ جائیں گے تو سب سنبھال لیں گے۔ بیٹے ماؤں سے ضد کرتے ہیں۔ باپ کے سامنے کچھ بول نہ سکے گا۔ نام بھی نہیں لے گا پھر اس لڑکی کا۔"

"ارے ہاں، اس میں اتنا فکر مند ہونے کی بات نہیں۔ اس عمر میں لڑکے ایسی حرکتیں کر جاتے ہیں۔ سنبھل جائے گا۔"

"پتا نہیں سنبھلے گا کہ نہیں، مجھے تو اندیشہ ہے کہ ضد ہی نہ پکڑ لے۔ ہے تو کچھ ایسا ہی۔ اپنی بات

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

منوانے کی دُھن سوار ہو جاتی ہے اس پر۔ اب ایسا نہ ہو کہ اسی لڑکی سے شادی پر اڑ جائے۔"

"خوامخواہ۔ اتنا نیک شریف گھرانہ ہے تمہارا۔ ایسی بات منہ کر نام کو بٹہ لگاؤ گی کیا۔ اور بچوں کی ضد ہی کیا چار دن شور مچائے گا پھر خود ہی سیدھا ہو جائے گا۔"

"ہاں بس باپ کو آئینے دو ساری سرکشی بھول جائے گا۔"

"اور بھائی صاحب آئیں تو کہو نکالیں ان نانا نواسی کو بھی محلے سے باہر۔ ایسے یوں تو ہم سب ہی خطرے میں ہیں۔ آج غازی کو پھانسا کل کسی اور لڑکے پر نظر ہوگی۔ ایسی لڑکیاں لڑکے عقوڑی بیٹھتی ہیں۔"

اور غازی کو زمین آسمان گھومتے محسوس ہو رہے تھے

ابا کی آمد کی اطلاع بہت پریشان کن تھی۔ ابا کے سامنے وہ بولنے کی جرأت کر بھی لیتا تو انہیں منانا آسان ہرگز نہیں تھا اور یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ نانا اور نواسی کو محلے سے ہی نکلوا دو۔ کچھ تو خدا کا خوف کریں یہ لوگ۔ کوئی انہونی تو نہیں ہو گئی مگر مجبور پر ہر کوئی شیر ہوتا ہے۔ خدایا ان کے دل میں رحم ڈال دے اور ابا کو کوئی کام پڑ جائے وہ نہ آ سکیں۔

اس نے جان لیا تھا۔ یہ لوگ دروازہ نہیں کھولیں گی۔ اب بستر پر بیٹھ گیا اور ان کی باتیں سن سن کر کھول رہا تھا۔

آخر رات پڑتے پڑتے یہ وہ سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئیں مگر ہُلا ہو کر ابا بھی گھر آ گئے اور کمرے کا دروازہ انہوں نے ہی کھولا۔ ساری رپورٹ تو امی سے آتے ہی مل چکی تھی۔ اب اسے گھور رہے تھے اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کرے شک دل میں یہی سمجھتا تھا۔ ہمنے جو کچھ کیا غلط نہیں تھا۔ نیت صاف تھی مگر پھر بھی باپ کے سامنے ایک غیر لڑکی کے ساتھ ناشائستہ حرکت کو کون بتا سکتا ہے اسے موٹر سائیکل پر بٹھا کر ہوا خوری کرانا۔ سیر کرانے لے گیا تھا۔ اب احساس ہو رہا تھا۔ خاصی مشکل آ پڑی تھی۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی غازی۔" ابا کی آواز دھیمی مگر غصے سے بھرپور تھی۔

"غلطی ہو گئی ابا۔" غازی نہایت سعادت مند دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکن اور شرمندگی تھی۔ وہ باپ سے آنکھ نہیں ملا پا رہا تھا۔

"کیوں ہوئی یہ غلطی؟" وہ دھاڑے۔

امی تو یہ سن کر ہی پُرسکون ہو گئیں کہ غلطی تسلیم کر لی ہے ورنہ دوپہر سے وہ خود کو اور اس لڑکی کو بے گناہ ہی سمجھ رہا تھا۔ بولیں۔

"جانے دیں بچہ ہے۔ کہہ رہا ہے غلطی ہو گئی سمجھ گیا ہے۔ اب دوبارہ ایسا کام نہیں کرے گا۔"

"ابا! وہ لڑکی بے قصور ہے۔ سارا کیا دھرا میرا ہے۔"

"دیکھا دیکھا پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ پتا نہیں کیا گھول کر پلا دیا ہے اس لڑکی نے۔" امی کو پھر غصہ آ گیا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ بہت شریف لڑکی ہے۔ میں ہی اس کے گھر کے چکر لگایا کرتا تھا۔"

"باپ کے سامنے ایسی بکواس کر رہے ہو شرم و حیا بالکل ہی مر گئی ہے۔" ابا کے کہنے پر اسے خاموش ہونا پڑا۔

"بیگم تم فکر نہ کرو۔ میں آ گیا ہوں۔ اب دیکھتا ہوں۔ صاحبزادے کس طرح لڑکیوں کے گھروں کے چکر لگاتے ہیں۔ انہیں پھاڑتے ہیں اور موٹر سائیکل پر بٹھا کر شہر کی سیر کراتے ہیں۔ ہونہہ لعنت ہے تم پر۔"

"ہاں میں قصوروار ہوں مگر آپ لوگ اس لڑکی کے خلاف پروپیگنڈہ بند کریں۔ یقین مانیے وہ میرے ساتھ جانے پر تیار نہیں تھی۔ میں نے مجبور کیا تھا اسے۔"

"کیا پستول دکھا کر لے گئے تھے؟" امی جل کر بولیں۔

"ایسا ہی سمجھ لیں۔"

"کیا مطلب؟" امی نے توجہ نہیں دی مگر ابا چونکے۔

"یونہی بکواس کر رہا ہے اس کی تو کوشش یہی ہے۔ کسی طرح اس لڑکی کو بچا لے اور سارا الزام اپنے سر لے۔ چلیں آئیں۔ آپ منہ ہاتھ دھو لیں۔

میں کھانا نکالتی ہوں۔ اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں۔ تھک گئے ہوں گے۔" امی نے اسے بات ہی نہیں کرنے دی

"ہائے یہ تھکن اس تھکن کے مقابلے میں کچھ نہیں جو اپنی اولاد کے کارنامے جان کر ہوتی ہے۔"

ابا نے آہ بھر کر کہا تھا اور غازی نے افسوس اور شرم سے سر جھکا لیا تھا کب سوچا تھا کہ ایک روز وہ باپ کو یوں دُکھ دے گا۔

شہناز ڈری ڈری سی کالج سے گھر واپس آئی تھی اور اس نے گھر کے باہر مردوں اور بچوں کو دیکھ لیا تھا۔ اور سمجھ گئی دعا قبول نہیں ہوئی۔ خان چچا نے جو دیکھا وہ سارے محلے میں کہہ دیا ہے۔

"آ گئی ہیں محترمہ۔" کسی نے اسے دیکھ کر نعرہ لگایا تھا۔ اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ سی ہوئی۔ وہ بمشکل گھر میں داخل ہوئی۔ شاید محلے کے سرکردہ افراد بیٹھک میں جمع تھے۔ وہیں سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں یقیناً نانا بھی وہیں تھے۔ یاسر سامنے ہی بیٹھا ہوا تھا اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"باجی تم کیا کر کے آئی ہو۔ محلے کے لوگ تمہارے خلاف بہت باتیں کر رہے ہیں۔"

اس نے ہاتھ میں پکڑی کتابیں میز پر پھینک دیں اور روتے روتے کچھ نہیں کیا میں نے کی تکرار کرنے لگی۔

"نانا ابا کو لوگ اتنی باتیں سنا رہے ہیں اور نانا بے چارے بالکل خاموش بیٹھے ہیں۔"

یہ بات سن کر اس کا دل کٹ کے رہ گیا۔ ہائے کیا گزر رہی ہوگی نانا کے دل پر۔ مجھے گھر واپس ہی نہیں آنا چاہیے تھا۔ خودکشی کر لینی چاہیے تھی۔ امی تو ٹریفک میں کسی بھی گاڑی کے آگے آ جاتی پھر میری لاش ہی گھر آتی۔ لوگ تھوڑے دنوں تک میرا قصہ دہراتے پھر بھول جاتے مگر اب تو یہ بدنامی نانا کس طرح سہہ پائیں گے اور میں کیا کہوں گی ان سے کہ میں بے قصور ہوں مگر میں بے قصور نہیں ہوں۔ میں غازی کے ساتھ خود گئی تھی کیسے کہوں گی ان سے کیا کہوں گی کہ میں غازی سے محبت کرتی ہوں۔ اس نے کہا تو میں انکار نہیں کر سکی۔ میں نے آپ کی عزت کی پروا نہیں کی۔ بس یہ دیکھا کہ اس میں غازی کی خوشی ہے اور اس کے ساتھ چل پڑی۔ اُف لعنت ہے مجھ پر۔ کتنی بُری ہوں میں۔ میں نے اس نیک سادہ مزاج اور بیمار شخص کو دُکھ دیا ہے۔

"غازی! آپ کو تو خوشی مل گئی ناں۔ اب تو خوش ہونا۔" وہ چارپائی پر بیٹھی روتی رہی۔ یاسر اُٹھ کر اندر بیٹھک میں چلا گیا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا۔ نانا بیٹھک میں اکیلے بیٹھے رو رہے ہیں۔ تم آؤ۔ تسلی دو انہیں۔ انہیں بتاؤ کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔ لوگ ایسے ہی بکواس کرتے ہیں۔"

وہ دوڑتی ہوئی بیٹھک تک آئی۔ دروازے پر رُک کر دیکھا۔ نانا واقعی رو رہے تھے۔ وہ آگے بڑھی اور ان کے قدموں میں گر کر رونے لگی۔

"نانا! مجھے معاف کر دیں۔ مجھے معاف کر دیں۔ میرے اچھے نانا میں نے گناہ کیا ہے۔ قصوروار ہوں میں مگر میں مجبور تھی۔ میں اس بھری دُنیا میں تنہا کھڑی تھی۔ میں ڈرتی تھی۔ کسی مضبوط سہارے کی طرف دیکھتی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تو میں جھٹک نہیں سکی۔ میں بہت بُری ہوں۔ میں نے آپ کو دُکھ دیا ہے۔ آپ کی عزت کا خیال نہیں کیا۔" نانا نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا اور بولے۔

"اگر ہے سہاروں کو سہارے یونہی مل جایا کرتے میری بچی تو پھر کوئی بھی تنہا نہ رہتا۔"

"میں اس کی باتوں میں آ گئی تھی۔ میں نے بے وقوفی کی ہے۔ میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔ اگر آپ کہیں گے کہ مر جاؤ تو میں مرنے کے لیے بھی تیار ہو جاؤں گی۔ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ محلے کے لوگ غلط کہتے ہیں۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔" لفظ آب چشموں میں بدل گئے تھے۔

نانا کی سفید داڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور شہناز کی آنکھیں ان کا دل کاٹ رہی تھیں۔ تبھی سلمیٰ آ گئی اس نے دونوں کی جانب دیکھا پھر شہناز کو پکڑ کر زمین سے اُٹھا کر کرسی پر بٹھا دیا۔

"آئیے نانا میں آپ کو آپ کے بستر تک چھوڑ آتی ہوں۔" اب وہ ان سے کہہ رہی تھی۔ نانا آنسو پونچھتے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

گئے۔ بولے کچھ نہیں اور نہ ہی ان کے انداز سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بستر تک جانے پر آمادہ ہیں۔

"شہنا میری دوست ہے چھوٹی بہنوں کی طرح ہے اور اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہوگا۔ مجھے پورا یقین ہے۔"

"نہیں ہوں میں نیک۔ میں اچھی لڑکی بھی نہیں ہوں قصور ہوا ہے مجھ سے۔ میں کیوں گئی تھی غازی کے ساتھ؟" تشہنا آنسوؤں کے درمیان کہہ رہی تھی۔

"غازی کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ باتیں بنانے میں اُسے کمال حاصل ہے۔ تم جیسی بھولی لڑکی بھلا کیسے اس کی بات رد کر سکی ہوگی؟"

"ہاں سلمیٰ باجی! میں نے بہت سمجھایا تھا۔ میں نے صاف انکار کیا تھا۔ وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ پھر دوبارہ آیا اور تب میں اس کی بات ٹال نہیں سکی۔" سلمیٰ کو ہمدرد پا کر اسے جیسے حوصلہ سا ہوا اور سچ بات کہہ گئی۔

سلمیٰ نے گہری سانس لے کر نانا کی جانب دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ دیکھا میں نے غلط نہیں کہا تھا۔

"سلمیٰ باجی! میں کس سے کہتی۔ کس سے مشورہ کرتی۔ آپ ہی تو میری ہمدرد ہیں مگر ان دنوں بھائی جان ملک سے باہر جا رہے تھے، میں آئی تھی آپ کی طرف۔ مگر آپ مصروف تھیں۔ میری بات نہیں ہو سکی۔ کاش آپ سے بات ہو جاتی اور میں اس بدنامی سے بچ جاتی۔"

"نانا آ گئے۔ میں آپ کو بستر تک چھوڑ آتی ہوں اور شہنا! تم کپڑے بدل لو۔ شام ہونے کو ہے، تم ابھی تک یونیفارم میں ہو۔ کھانا میں اپنے گھر سے لے کر آتی ہوں۔ سب مل کر کھائیں گے۔"

"کچھ نہیں کھانا مجھے۔" وہ گالوں پر آئے آنسو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

سلمیٰ پہلے نانا کو سہارا دے کر اندر لے گئی پھر اس کے پاس آئی۔

"شہنا! اس کو چپ کراؤ۔ مت روؤ۔" وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر سمجھا رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا سلمیٰ باجی؟"

"کچھ نہیں ہوگا تم اٹھو۔ چل کر کپڑے بدلو۔ میں اپنے گھر سے کھانا لے کر آتی ہوں اور اس غازی کے بچے کو بھی پوچھوں گی۔ کہیں مل جائے بس مجھے۔"

"نہیں باجی! آپ اس سلسلے میں اُن سے کچھ مت کہیے گا اور انہیں منع کر دیں۔ اب وہ ہمارے گھر مت آئیں۔"

"اچھا اچھا۔ چلو اٹھو۔ یا سر بے چارہ بھی بھوکا بیٹھا ہوا ہے۔"

"میں نے بہت منع کیا تھا غازی کو۔"

"ہاں، میں جانتی ہوں اور یہ بھی سمجھ رہی ہوں اُس وقت غازی صاحب اپنی مردانگی کے زعم میں کچھ سُننے پر راضی ہی نہیں ہوں گے اور اب عقل آئی ہوگی۔ سُن رہے ہوں گے محلے کی باتیں اور گھر والوں کی ڈانٹ اچھا ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہیے اس کے ساتھ۔ مجھے مل تو جائے کہیں۔"

غازی نے صبح بھی ناشتا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"کیوں اب یہ رزق سے لڑائی کیوں ڈالے بیٹھے ہو۔ ہمیں کس بات کا غصہ دکھا رہے ہو۔ کیا کیا ہے ہم نے؟" اس کی مسلسل بھوک ہڑتال سے پریشان اب امی اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

"لے جائیں آپ یہ سب کچھ۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ آنکھوں پر بازو رکھے بستر پر چت لیٹا تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اٹھتے ہو یا بلاؤں تمہارے ابا کو؟"

"پہلے آپ بتائیں جب میں کہہ رہا ہوں۔ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے پھر آپ لوگ کیوں اُس کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ سارے محلے میں بدنام کر دیا ہے اُسے۔ تم نے تو نیک نامی ــــ کے ہار پہنائے تھے نا؟"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ یہ سارا کیا دھرا میرا ہے پھر اُس کا نام بیچ میں کیوں لاتے ہیں آپ لوگ۔ جتنا بُرا بھلا کہنا ہے مجھے کہیں اُسے نہیں۔"

"غازی شرم کرو۔ حیا کرو۔ ماں کے سامنے کیا بکواس کر رہے ہو۔ ایک غیر لڑکی کی خاطر اتنا غصہ؟"

"امی! اُس کے نانا معذور ہیں۔ ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا انہیں۔ ایک چھوٹا بھائی ہے اور آپ لوگ

کل انہیں محلے سے نکالنے کی باتیں کر رہے تھے۔ کہاں جائیں گے وہ لوگ؟"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ جہانگیر کی امی چلی آئیں۔

"کیا بات ہے بہن یہ ابھی تک بستر پر کیوں پڑا ہے، خیر تو ہے؟" جواب میں امی نے سب بتا دیا۔

"ہا ہا، بچے کیوں اپنی صحت خراب کر رہے ہو۔ اُٹھ میرا بیٹا اپنا دشمن بھی بھلا کوئی بنتا ہے۔ ادھر وہ تو پرائے اڑا رہی ہوگی اور ہمارے بچے کے منہ میں کل سے ایک کھیل بھی نہیں گئی۔"

"سلام خالہ!" جہانگیر نے اندر جھانک کر امی کو سلام کیا۔

"آؤ آؤ جہانگیر بیٹے تم ہی اس نکمے کو کچھ سمجھاؤ میں جا رہی ہوں بات اس کے ابا تک نہ پہنچے مگر یہ جانے کیا ارادے کر بیٹھا ہوا ہے۔"

"آپ لوگ جائیں۔ میں یہیں ہوں۔" جہانگیر معمول سے کہیں سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ دونوں چلی گئیں تو جلے کٹے انداز میں بولا۔

"یوں لیٹ کس کا سوگ منا رہے ہو؟ کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

اس کے بھیگے چہرے پر چونک کر غازی نے اس کی جانب دیکھا۔

"کم از کم اسے تو معاف کر دیتے۔ کتنی نیک اور اچھے دل والی لڑکی تم نے برباد کر دی۔ ذرا سوچو تو کیا گزر رہی ہوگی اس کے دل پر اور اُس کے بوڑھے نانا کے، غازی میرا جی چاہتا ہے میں تمہیں شوٹ کر دوں۔"

"تو تم سمجھتے ہو ناں کہ اس سارے قصے میں قصور میرا ہے؟"

غازی ایک دم سے اُٹھ بیٹھا اور بولا۔

"ہاں سو فیصد تمہارا ہے تم نے ہی اُسے اپنی باتوں کے جال میں پھانسا ہوگا۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو بھائی! ایسا ہی ہوا ہے اور میں کل سے ان سب لوگوں کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں۔ کوئی میری بات سنتا ہی نہیں۔ سب شہنا کو قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔ تم انہیں سمجھاؤ کہ یہ سب کیا دھرا میرا ہے۔ جو کچھ کہنا ہے مجھے کہیں۔ اُس لڑکی کو بدنام مت کریں۔"

"کیا تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا غازی؟"

جہانگیر تو کچھ اور ہی سوچے ہوئے تھا اس کی باتوں پر حیرت یقینی تھی۔

"میرا دماغ نہیں چلا۔ سارے محلے کا پاگل ہو جانا یقینی ہے۔ انہیں تو موقع ملنا چاہیے کہانی گھڑنے کا۔ ان کی بلا سے کسی کی بدنامی ہوتی ہے تو ہو۔ کیا میں جانتا نہیں۔ ان کی اولادیں کتنی شریف ہیں مگر وہ لڑکی بے چاری مضبوط سہارا نہیں رکھتی۔ اس کے سر پر جوان بھائیوں کا ہاتھ نہیں ہے تو رہے دھڑک بکواس کرتے جا رہے ہیں مگر تم دیکھ لینا بھائی! امی ابا کچھ بھی کہتے رہیں میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

"غازی! میں تو کچھ اور ہی سمجھ کر آیا تھا۔ تم تو واقعی اپنی محبت میں سچے ہو۔"

"ہاں! میں سچا ہوں۔ میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں۔ بس اتنی سی غلطی ہو گئی مجھ سے اور بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ خان بچانے ہمیں دیکھا اور دوڑ لگا دی۔ پوچھ تو لیتے ہم نے۔"

"تم اپنی محبت میں مخلص ہو مگر غازی اتنے بڑے بڑے دعوے مت کرو۔ ہمیں بہت بھروسا ہوتا ہے خود پر مگر رشتوں کے سامنے دعوا بھربھری مٹی سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔ کیا تم ماں باپ، بہن بھائی کو چھوڑ سکتے ہو۔ ان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہو۔ مجھے یقین ہے تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ اگر یہ لوگ دو سال تو پھر تمہیں بھی قدم پیچھے ہٹانا ہی پڑیں گے۔ تم نے جذبات میں آ کر اپنے لیے مشکلات پیدا کر لی ہیں۔ تم یہ کیوں بھول گئے تھے ہم جس ماحول میں رہتے ہیں۔ یہاں ایسی باتیں معیوب سمجھی جاتی ہیں۔ لڑکی بے چاری کی تو ساری زندگی سزا بن کے رہ جاتی ہے۔"

"اُس نے بہت سمجھایا تھا مجھے مگر تب میں نے اس کی ایک نہیں مانی۔ التجا اس سے ناراض ہو گیا۔"

جہانگیر کچھ دیر بعد چلا گیا۔ ناشتا یونہی رکھا تھا امی کو سخت غصہ آیا اور جا کر ابا کو بلا لائیں اور ان کے سامنے وہ انکار نہیں کر سکا۔ شرافت سے ناشتا کر لیا۔ ابا تیار ہو کر کہیں جانے کے لیے نکلنے لگے تو امی نے جلدی آنے کو کہا کہ غازی ان کی تو کوئی بات ہی سن نہیں رہا تھا۔

"میں حکیم عبدالحکیم کی طرف جا رہا ہوں۔"

UrduPhoto.com

"کیا ضرورت ہے اُدھر جانے کی" امی نے ٹوکا۔

"میں اُن لوگوں کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ جیسا اُن کی بیٹی سوچ رہی ہے، وہ ممکن نہیں۔ دیکھو بیگم عزت عیب نہیں مگر ایسی لڑکی کو میں ہرگز اپنی بہو نہیں بنا سکتا۔ جسے عزت کا پاس نہیں اور جو غیر ذات کی بھی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ ہمارا گھرانہ نیک نام ہے لوگ عزت کرتے ہیں۔ اب بیٹے کی بچکانہ ضد پر ایسی لڑکی گھر نہیں لا سکتے۔ جس کی سارے محلے میں تھو تھو ہوتی ہو۔"

غازی کی طرح شہنا کے ہاں بھی خواتین کا آنا جانا لگا ہوا تھا مگر صورت حال مختلف تھی۔ غازی کے ہاں آنے والی تو شہنا کو برا بھلا کہتیں اور اس کی امی سے ہمدردی جتاتی تھیں۔ جن کا بیٹا اس لڑکی کے جال میں آ گیا تھا جبکہ یہاں سے جانے کے بعد کچھ یہ بھی کہتیں لڑکا خود بھی کچھ ایسا ویسا ہی ہوگا۔ شہنا کے گھر آنے والی اس سے تو بات بھی نہیں کرتی تھیں۔ بڑے بڑے منہ بنا کر اسے دیکھتیں۔ آپس میں باتیں کرتیں پھر اُٹھ کر چلی جاتیں۔

سلمیٰ کے آجانے سے شہنا کو بڑا سہارا ہو گیا تھا۔ وہ خاصی نڈر لڑکی تھی۔ ان خواتین میں اب یہ ہمت نہیں تھی کہ یہاں آئیں اور شہنا کو گھور گھور کر دیکھیں۔

اطلاع ملی تھی غازی کے والد آئے ہیں۔ شہنا نے چونک کر سلمیٰ کی طرف دیکھا اور سلمیٰ کے دل میں خیال آیا۔ ممکن ہے اچھی خبر ہو۔ بیٹے کی پسند انہیں یہاں آئی ہو۔ وہ اٹھ کر بیٹھک سے صحن میں کھلنے والی کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی اور اندر ہونے والی گفتگو کان لگا کر سننے لگی۔

اسے شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کہ ان لوگوں کا [illegible] وہ ان سے [illegible] چاہتے ہیں بالکل خاموش زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا۔ جو کچھ وہ کہتے رہے خاموشی سے سنتے رہے۔ سلمیٰ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ [illegible] شہنا بھی اس کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی اور وہ سر جھکا کر کھڑی بغور اندر والی گفتگو سن رہی تھی پھر

بیٹھک کے دروازے کی طرف چل پڑی۔ سلمیٰ بھی پیچھے ہی تھی۔ شہنا نے دروازہ کھولا۔ غازی کے والد نے اس دبلی پتلی لڑکی کی طرف دیکھا جس نے آدھا چہرا چادر میں چھپا رکھا تھا۔

"میں ہوں وہ بدنصیب لڑکی، جس نے اتنے عظیم نانا کا سر جھکا دیا۔ میرا ہی نام شہنا ہے۔"

اُس کی آواز کانپ رہی تھی مگر وہ سب کہہ دینا چاہتی تھی۔

"آپ یہ کہنے آئے ہیں کہ میں آپ کے معزز گھرانے کے قابل نہیں ہوں اور مجھے آپ کے بیٹے کے راستے میں نہیں آنا چاہیے۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ کبھی اس سے بات بھی نہیں کروں گی۔ وہ یہاں آیا تب بھی نہیں۔"

سلمیٰ نے ہاتھ سے اسے پیچھے کیا اور خود آگے آ کر بولی۔

"مگر یہ بھی بتاتے جائیں اگر پہلے کی طرح اب بھی اس نے شہنا کو کالج آتے جاتے گلی میں روکا تو پھر اسے کیا کرنا چاہیے۔ اگر جواب میں طمانچے، گھونسے مارے اور گالیوں سے نوازے تو میرا خیال ہے آپ کو شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ گھر میں نانا ہی ہوتے ہیں جو بغیر سہارے کے چل پھر نہیں سکتے۔ اگر غازی اچانک آ جائے اور شہنا گھر میں اکیلی ہو پھر اسے کیا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے پہلے غازی یہاں آتا ہی رہا ہے۔ شہنا تو کبھی اس کے گھر نہیں گئی۔ آپ بہت اکڑ کے یہاں چلے آئے۔ حالانکہ جتنا قصور اس لڑکی کا ہے اس سے کہیں زیادہ آپ کے بیٹے کا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ محلے والے آپ کے بیٹے کو سبق سکھا دیتے مگر واہ کیسا انصاف ہے۔ گناہ گار ہو کر بھی آپ کا دامن صاف ہے اور یہ بے چاری لڑکی جس کی شرافت کی گواہی ابھی چند روز پہلے تک محلے کا ہر فرد دیتا تھا۔ آج بے کردار کہلا رہی ہے۔ آپ جو کچھ اسے کہنے آئے ہیں، جا کر اپنے بیٹے سے کہیے۔ اسے سمجھائیں کہ آئندہ اس لڑکی سے نہیں ملے۔ اس گلی میں قدم نہیں رکھے۔ شہنا نے تو وعدہ کر لیا ہے۔ اب جا کر اپنے بیٹے سے بھی کہیں اور پھر دیکھیں۔ وہ کتنا فرمانبردار ہے۔"

"باجی بس کریں۔" شہنا نے چادر کے کونے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا پھر بولی "آپ کو مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔ جو کچھ ہوا۔ میں اس پر شرمندہ ہوں۔ یقین کریں۔ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ کو جو کچھ کہا ہے۔ جتنا برا بھلا کہا ہے میرے منہ پر کہہ لیں مگر خدارا محلے کے ہر فرد کے سامنے مجھے بے عزت نہ کریں۔ آپ بھی بیٹی والے ہیں۔ کچھ تو احساس کریں۔"

اگر سلمیٰ نے آتی باتیں نہ سنائی ہوتیں تو کہہ اُٹھتے میری بھی ایسی ہوتی تو گلا گھونٹ دیتا اس کا، مگر اگر کچھ سلمیٰ نے کہا تو وہ شرمندہ سے بیٹھے رہے۔ کچھ دیر کے بعد بولے۔

"ٹھیک ہے۔ میں غازی کو سمجھاؤں گا تمہارے راستے میں نہیں آئے گا وہ۔"

سلمیٰ استہزائیہ انداز میں ہنسی اور بولی۔

"کاش آپ نے پہلے ہی اُسے سمجھایا ہوتا تو آج یہ نوبت ہی نہ آتی۔ شریف باعزت گھرانوں بدنام نہ ہوتا۔ آپ کے بیٹے کا کیا ہے۔ آج اگر لوگ اسے الزام دے بھی دیں تو کل یہ بات بھول جائیں گے کہ لڑائی میں لڑکے ذرا ایسی حرکت کر ہی جاتے ہیں۔"

غازی کے ابا جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے گھر آتے ہی سب سے پہلے ملاقات غازی سے ہو گئی اور خوب پٹی۔ اس قدر برا بھلا کہا۔ کرائی کو منت بھرے انداز میں انہیں خاموش کرانا پڑا۔

"آخر ہوا کیا ہے آپ تو عبدالحکیم کے گھر گئے تھے۔"

"تم نہیں جانتیں اس لڑکے نے مجھے کتنا شرمندہ کروایا ہے۔ لڑکا اسے گلی میں روکتا رہا ہے۔ بہانے سے اس کے گھر جاتا رہا ہے۔ وہ تو کبھی اس کے پیچھے یہاں تک نہیں آئی۔ اس نے وعدہ کیا ہے۔ آئندہ اس سے بات بھی نہیں کرے گی۔ بہت غیرت والی لڑکی ہے۔ میں بتا نہیں سکتا۔ اس کی وجہ سے مجھے کس قدر خفت اُٹھانی پڑی۔"

"کیا اس نے وعدہ کیا ہے۔ مجھ سے نہیں ملے گی۔" غازی نے سب کچھ نظر انداز کر کے کرب کے عالم میں دہرایا۔

"دیکھا، دیکھ لی تم نے اس کی بے حیائی۔" ابا مارنے کو لپکے مگر اچھی خاصی درمیان میں آ گئیں۔

"کیوں جوان اولاد پر ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔ چھوڑیں جانے دیں جب وہی نہیں ملے گی تو کتنے دن سوگ منائے گا۔ بھول بھال جائے گا اور لگتا ہے آپ کو تو وہ پسند آ گئی ہے۔"

اُس پر وحشت سوار تھی۔ کبھی جی چاہتا جا کر شہنا سے ملے پھر سوچتا یہ مناسب نہیں ہوگا اور پھر ابا تو یہ کہہ رہے ہیں۔ اُس نے ملنے سے انکار کیا ہے۔ مگر مجھے ملنا ہے۔ کہاں اور کیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے کیا سوچ رہے ہیں؟" ابا کی خاموشی کو امی کتنی دیر گہری نظر سے دیکھتی۔ رہیں اور آخر پوچھ بیٹھیں۔

غازی نے بہت برا کیا ہے۔ کیا اُسے معلوم نہیں تھا کہ ہم تو اپنی ذات برادری سے باہر رشتہ کرتے ہی نہیں۔ اس نے بہت غلط قدم اُٹھایا ہے۔ اگر وہ سیدھے طریقے سے پسند بتا دیتا تو شاید۔"

شام کو جہانگیر کی امی چلی آئیں۔ ہاتھ میں تعویذ تھا۔ آتے ہی بولیں۔

"بہن اسے گھر میں کسی اونچی جگہ پر لٹکا دو۔ سب پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ بیٹا سرکشی چھوڑ کر تمہاری ہر بات ماننے لگے گا۔ یہ مجھے غازی نے ہی لا کر دیا تھا۔ لاکھ پوچھتی رہی۔ مجھے اُن پیر صاحب کا نام تو بتا دو۔ جن سے یہ تعویذ لے کر آئے ہو مگر نہیں بتایا۔ اب یہ میں نے اپنے گھر میں لٹکایا ہوا تھا۔ تمہارے لیے اتار کر لے آئی ہوں۔ جب غازی ٹھیک ہو جائے تو مجھے واپس کر دینا۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو غازی اس تعویذ کو دیکھ کر خوب قہقہے لگاتا مگر اب تو اس کو کسی بات کا ہوش ہی نہیں تھا۔ امی نے گھر سے باہر نکلنے پر بھی پابندی لگائی ہوئی تھی اور اس نے کچھ نہ کھانے پینے کی ضد باندھ رکھی تھی۔ سارا دن اُداس صورت بنائے کبھی ادھر کبھی اُدھر پڑا رہتا۔ امی تعویذ دیکھ کر خوش ہوئیں اور تازہ صورت حال سے انہیں آگاہ کرنے لگیں۔

غازی منہ بنا کر اندر آ گیا۔

رات کو ابا گھر نہیں آئے تھے۔ کسی ملنے والے کی طرف گئے تھے وہ امی کے پاس باورچی خانے میں

UrduPhoto.com

"تم جوان ہو۔ گرم خون ہے تمہارا۔ تم دماغ سے نہیں دل سے سوچ رہے ہو مگر ہم ایک عمر گزار چکے ہیں۔ زمانے کے سرد و گرم دیکھ چکے ہیں۔ یہ فیصلہ کرکے میں خوش نہیں مجھے دکھ ہے کہ میں اپنے بیٹے کا دل دکھا رہی ہوں مگر بیٹے ہم لوگ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ دنیا سے الگ ہو کر نہیں سوچ سکتے۔ جو تم چاہ رہے ہو، ناممکن ہے۔ ہم تو خیر ذات میں رشتہ نہیں کرتے۔ اور اب تو اس کا خیال ہی دل سے نکال دو۔"

وہ کمرے سے چلا آیا۔ دل و دماغ سب جل رہے تھے۔ وہ گھر میں رکا نہیں۔ گلی میں آگیا اور پھر اس کا رخ خود بخود ہی شہنا کے گھر کی طرف تھا مگر جب وہ اس کی گلی میں داخل ہوا تو ٹھٹک گیا۔

کیا یہ مناسب ہے۔ اس طرح تو اس کی مزید بدنامی ہو سکتی ہے۔ محلے والوں نے ضرور اس کے گھر پر نظر رکھی ہوگی۔ مگر اس سے ملے بغیر واپس جانے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر اس فیصلے پر پہنچ کر سلمیٰ کے گھر کے دروازے پر آیا۔ دوسری مرتبہ دستک دینے پر سلمیٰ نے ہی دروازہ کھولا۔

"غازی! تم اس وقت یہاں!" اس کی حیرت بجا تھی۔

"شہنا کیسی ہے؟" اس نے عجلت اور بے قراری سے پوچھا۔

"بہت جلدی خیال آگیا تمہیں شہنا کا!" سلمیٰ نے ناراضگی سے کہا۔

"میں کیا کرتا۔ کیسے آتا؟"

"اتنے مجبور ہو؟" انداز اب بھی تیکھا تھا۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" سلمیٰ نے تیزی سے کہا۔

"پلیز باجی! میں بہت آس لے کر آیا ہوں آپ کے پاس۔ ان حالات میں صرف آپ ہی میری مدد کر سکتی ہیں۔"

"شہنا نے وعدہ کیا ہے تمہارے باعزت ابا سے کہ وہ اب کبھی تم سے نہیں ملے گی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ بلائیں اسے۔"

"اور ابھی جو تمہارے ابا آجائیں تو۔ ہیں غازی پھر تم کیا کرو گے۔ چپ چاپ کھسک جاؤ گے ناں۔"

"باجی! ایک بار صرف ایک بار اسے بلا دیں میں ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے کچھ کہنا ہے اس سے۔"

"کیا کہنا ہے۔ مجھ سے کہہ دو میں بتا دوں گی اسے۔"

"نہیں۔ نہیں آپ اس کو بلا دیں میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ میں اسے تسلی دینا چاہتا ہوں۔ اسے بتانا چاہتا ہوں کہ میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے اندازہ ہے کہ وہ کتنی پریشان اور اداس ہوگی۔"

"غازی کیا فائدہ ان جھوٹے دلاسوں کا۔ بات تو تب بنے کہ تم اپنے والدین کو راضی کرو۔ تم انہیں شہنا کے لیے منا لو۔ میرا وعدہ ہے پھر میں خود شہنا کے گھر تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

آپ کو احساس نہیں میں کتنا پریشان اور کس قدر الجھا ہوا ہوں۔" اس نے دائیں ہاتھ سے پیشانی کو دباتے ہوئے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"مجھے اندازہ ہے اور میں تمہاری دشمن نہیں ہوں غازی۔ میں شہنا کو مزید دھوکا دینے میں تمہارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتی۔ جب تم خود مجبور ہو تو پھر اسے جھوٹی تسلی کیوں دینا چاہتے ہو۔ اب تم جاؤ۔ میرے شوہر گھر سے باہر ہیں۔ کسی نے تمہیں یہاں میرے دروازے پر دیکھ لیا تو میرے لیے اچھا نہیں ہوگا۔"

"اچھا چلا جاتا ہوں مگر باجی آپ اسے یہ ضرور بتا دیجیے گا کہ میں اس سے ملنے آیا تھا۔"

"نہیں غازی! میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اگر تمہیں اس سے محبت ہے تو پھر اپنے امی ابا کو راضی کرو۔"

اور غازی جتنی تھکن لے کر وہاں تک گیا تھا اس سے دوگنی لے کر لوٹا۔

اس نے وعدہ کیا تھا غازی کے والد سے کہ اب کبھی آپ کے بیٹے سے نہیں ملوں گی اور وہ اپنے فیصلے پر قائم بھی تھی مگر دل درد سے بھر گیا تھا اور یہ خیال کہ یہ نام اب تمام عمر کے لیے بدنامی بن کر اس کے ساتھ ساتھ رہے گا۔ کوئی ہاتھ سہارے کو نہیں بڑھے گا۔ میں جو تنہائی سے خوفزدہ تھی۔ میں جو سائبان چاہتی تھی۔ اب تمام زندگی یونہی تپتی دھوپ تلے گزاروں گی۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا۔ اسے دیکھ کر جیسے جی اٹھی تھی۔ اس کی باتیں، اس کا پیار، وہ درد کی شدت سے مجبور ہو کر رونے لگی۔ غازی۔ غازی کاش آپ نہ آئے ہوتے میری زندگی میں یہ چند روز کی محبت، اف میرے رب، غازی اتنے دعوے کیوں کیے تھے۔

"یہ تمہارا بیٹا تو بالکل ہی دیوانہ ہو رہا ہے۔" ابا اس کی حالت سے کچھ پریشان تھے اور امی سے کہہ رہے تھے۔

"ہاں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ خیال یہی تھا کہ تین چار روز میں سنبھل جائے گا مگر اب تو پورے دس روز ہونے کو ہیں میں نے اسے ہنستے نہیں دیکھا۔ پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہے اسے۔ مانگتا بھی وہ چیز ہے جو ہم کسی طور بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ گھر نیک۔ بیوی سے ہی چلا کرتے ہیں۔ میں نے بیٹی کی تربیت بھی بڑی محنت سے کی ہے۔ بڑی بہو بھی خدا نے بہت اچھی دی ہے۔ اب اس کے لیے ایسی ویسی لڑکی کا انتخاب کیسے کروں۔ دل نہیں مانتا میرا۔"

"ہاں بیگم! لوگ بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہمارے خاندان کو۔ یہ مکان میرے دادا جان نے بنوایا تھا۔ پھر ابا جی اور میں یہاں پر مقیم ہوں۔ سب جان پہچان کے لوگ ہیں پھر یہ کیسے گوارا کروں۔ یہ اولاد بھی کبھی کبھی کس امتحان میں ڈال دیتی ہے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ چند دن کی بات ہے آخر سنبھل ہی جائے گا۔"

"نہیں بیگم مجھے نہیں لگتا کہ یہ اسے بھول پائے گا۔ وہ لڑکی واقعی بہت اچھی ہے۔"

"بس اب آگے کچھ مت کہیں۔ کتنی بھی اچھی کیوں نہ ہو میرے گھر کے لیے نہیں ہے۔" امی کی بات پر ابا خاموش ہو گئے۔

"غازی کہاں ہے؟" جہانگیر کی والدہ ہاتھ میں

UrduPhoto.com

پلیٹ پکڑے بڑی خوش خوش گھر میں داخل ہوئی تھیں۔

"کہاں ہونا ہے اُس کو۔ گھسا بیٹھا ہوگا اپنے کمرے میں۔ پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہے میرے بیٹے کو۔ اُس سے تو ذرا دیر کے لیے بھی خاموش نہیں بیٹھا جاتا تھا۔ اب اتنے روز ہونے کو آئے ہوں ماں سے زیادہ بات ہی نہیں کرتا۔"

"میرا مشورہ مانو تو شادی کردو اس کی۔ چند دنوں میں پھر سے ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔"

"ہاں کہتی تو آپ ٹھیک ہیں۔" بات امی کے بھی دل کو لگی۔ "میں غازی کے ابا سے بات کروں گی۔ ایک تو انہیں ڈیوٹی پہ جانے کی بہت جلدی ہے کہا بھی ہے چھٹی لے لو مگر جان نہیں رہے۔ صبح جا رہے ہیں واپس۔"

"تو جانے دو۔ لڑکی تو ہم دونوں بہنیں مل کر تلاش کریں گے اور ہاں بہن! یہ مٹھائی ہے۔ میں نے جہانگیر کی بات پکی کر دی ہے۔ لڑکی اُس کے ابا کی رشتے کی بھانجی ہے۔ زیبا نام ہے۔ بڑی ہی پیاری بچی ہے۔ میں ذرا غازی کو بھی خوشخبری سنا آؤں۔ اس سلسلے میں اُس نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے۔"

پلیٹ امی کو پکڑا کر وہ غازی کے کمرے میں چلی گئیں۔

"غازی لے غازی ارے بھئی تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ اُٹھ کر بیٹھو۔ کہیں آؤ جاؤ۔ میں تو آنی دیر تمہارا انتظار کرنے کے بعد آج خود چلی آئی ہوں۔"

"کوئی کام تھا خالہ؟" اُس نے گہری سانس کھینچ کر انہیں دیکھا اور بولا۔

جواب میں انہوں نے ایک چپت لگائی اور بولیں "تمہارا کیا خیال ہے میں صرف کام کے وقت ہی تمہیں یاد کرتی ہوں۔ ارے بھئی جہانگیر کی بات پکی کی ہے زیبا کے ساتھ۔ زیبا کے باپ کو بڑی ہی مشکل سے راضی کیا ہے ہم لوگوں نے۔ اور مجھے تم بڑے یاد آئے۔ تم ہوتے تو منٹوں میں سارا کام نمٹا جاتے۔ منٹوں میں تو نہیں مگر گھنٹوں میں تو کر ہی لیتے۔ میں نے تو کہا بھی تھا جہانگیر سے بھی بھولے مگر کہنے لگا۔ اچھا نہیں لگتا۔ وہ آج کل پریشان ہے۔"

[illegible]

پہلی بار مسکرایا۔ خالہ ہنس پڑیں اور بولیں۔

"تمہارے بغیر مجھے یہ خوشی بھی ادھوری ہی لگ رہی تھی۔ اور پتا ہے زیبا بھی تمہارا پوچھ رہی تھی۔"

"آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ میں آؤں گا۔ بھائی کے پاس مبارک باد دینے۔"

"ہاں بھئی تمہارے بھائی کی تو ہو گئی منگنی۔ اب تمہاری باری ہے۔"

"کوئی اور بات کریں خالہ۔" وہ اس خوشی کے موقع پر تلخ بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"مٹھائی لائی ہوں پلیٹ بھر کے تمہاری امی کے پاس ہے کھانا ضرور۔"

"ہاں خالہ! یہ تو میرے بھائی کی خوشی کی مٹھائی ہے ضرور کھاؤں گا۔"

"اچھا یہ بتاؤ کب آؤ گے؟ میں تو کہتی ہوں ابھی چلو میرے ساتھ۔ میں جہانگیر کو بتا کر آئی تھی کہ غازی کی طرف جا رہی ہوں۔ وہ بھی ضرور تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔"

اس نے لمبا سانس لے کر ان کی طرف دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"امی! میں خالہ کے ساتھ ان کے گھر جا رہا ہوں بھائی کو مبارک باد دینے۔" باورچی خانے کے دروازے پر آ کر امی کو بتایا۔

"ہاں ہاں ضرور جاؤ مگر ذرا جلدی آ جانا۔ میں انتظار کروں گی۔"

"نہیں امی ہو سکتا ہے مجھے دیر ہو جائے آپ لیے خالہ۔"

"ہاں ہاں چلو۔ اچھا بہن خدا حافظ۔"

"بہت بہت مبارک ہو۔" غازی پورے خلوص کے ساتھ جہانگیر سے کہہ رہا تھا۔

اُس نے بغور غازی کے چہرے کی جانب دیکھا تو غازی نے خود کو چھپانے کے لیے منہ پھیر لیا۔

"غازی! میں تمہیں اتنا ٹوٹا ہوا، اس قدر اداس نہیں دیکھ سکتا۔ خود کو سنبھالو یار۔" وہ اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" غازی کی ہنسی دوست کا دل

چیر گئی۔

"اور زیبا کیسی ہے؟" وہ بشاشت سے بولنے کی کوشش میں جیسے تھک گیا اور کرسی پر جا بیٹھا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہارا پوچھ رہی تھی۔"

"چلو اُس کی طرف چلتے ہیں۔"

"اچھا نہیں لگتا۔ اُس کے ابا بھی آئے ہوئے ہیں۔ کیا سوچیں گے۔"

"بھئی ظاہر تو ہم دادا میاں کے پاس جائیں گے اور میں انہیں اس رشتے کے طے ہونے پر دلی مبارکباد پیش کروں گا پھر تم دادا کو باتوں میں لگا لینا اور میں اندر جا کر زیبا بھابی کو مبارکباد دے آؤں گا پھر میں واپس آ کر دادا میاں کو باتوں کے جال میں اُلجھاؤں گا۔ اور تم ریح یار کا دیدار کر آنا۔"

"غازی! تم اپنے لیے کیوں کچھ نہیں کرتے۔ مناؤ ناں کسی طرح اپنے والدین کو۔" اس کے لہجے کی تھکن زبردستی کی ہنسی جہانگیر کو اُداس کر رہی تھی۔

"میں نے ہار تو نہیں مانی۔"

"تو پھر اتنے اُداس، اس قدر بکھرے ہوئے کیوں ہو۔ یوں لگتا ہے ہر طرف سے مایوس ہو چکے ہو۔"

"امید کی کوئی کرن بھی تو نظر نہیں آتی۔ مجھے اس کا خیال آتا ہے تو بے چین ہو جاتا ہوں۔ بہت پریشان ہوگی وہ اور میرے بارے میں کیا خیال کرتی ہوگی۔ بہت نازک سی لڑکی ہے۔ میں تو اُس کی زندگی میں خوشی بھرنا چاہتا تھا مگر یہ کیسا ستم ہے میں ہی اُسے دُکھ دے رہا ہوں۔"

غازی، جہانگیر کی طرف بیٹھا تھا اور سلمیٰ اس کے ہاں آئی ہوئی تھی۔

"آپ غازی کی امی ہیں؟" اُس نے امی سے پوچھا۔

"ہاں آؤ بیٹی! اندر آ جاؤ۔"

"نہیں۔ آپ سے کچھ کہنے آئی ہوں اور جس نے مجھے بھیجا ہے اُس کا نام سن کر تو شاید آپ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہ کریں۔" امی نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ بولیں کچھ نہیں۔

"مجھے شہناز نے بھیجا ہے۔ وہی شہناز جس نے آپ کے بیٹے کے حصے کی بدنامیاں بھی سہہ لی ہیں۔ وہ بہت بیمار ہے۔ اسپتال میں ہے۔ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ انکار مت کیجیے گا۔"

"اسپتال میں، کیا ہوا ہے اُس کو؟"

"کسی شریف لڑکی پر جب آتا کیچڑ اُچھال دیا جائے تو وہ زندہ کب رہتی ہے۔ اُس نے کہا تھا انہیں کہنا آخری خواہش ہے ضرور آ جائیں۔"

"اس وقت کیسے جا سکتی ہوں غازی بھی گھر پر نہیں پھر شام بھی ہو رہی ہے۔"

"میں نے تو اُس کا پیغام دینا تھا دے دیا، اب جب بھی جانا چاہیں آپ کی مرضی۔"

"تم کون ہو بیٹی؟"

"میں دوست ہوں اُس کی، وہ میرے لیے چھوٹی بہنوں کی طرح ہے۔"

"اچھا اگر تم کل اُس کے پاس جاؤ تو مجھے بھی ساتھ لے جانا۔"

"ٹھیک ہے میں دوپہر کو آ جاؤں گی۔"

امی اُس کے جانے کے بعد کچھ پریشان سی رہیں۔ پتا نہیں کیا کہنا چاہتی ہے وہ لڑکی اور نہ جانے کتنی بیمار ہے، خدا آئے صحت دے، انہیں شہناز سے کوئی ذاتی دشمنی تو نہیں تھی۔ انہوں نے اس سلسلے میں بیٹے سے کوئی ذکر نہیں کیا۔

اگلے روز دوپہر کو اُسے کچھ اشاد کی لسٹ تھما کر بازار بھیج دیا اور جب سلمیٰ آئی تو گھر کی چابی پڑوس کے حوالے کر کے اتنا کہا۔

"بیٹا آئے تو کہہ دینا ضروری کام سے گئی ہوں کچھ دیر کے بعد آ جاؤں گی۔"

اسپتال کے گیٹ کے قریب ہی بوڑھے معذور نانا یاسر کی انگلی تھامے باہر آ رہے تھے۔

"یہ شہناز کے نانا ہیں۔" سلمیٰ نے انہیں بتایا۔

امی نے دیکھا ایک وضع دار انسان جس کے چہرے پر اس وقت دکھ اور پریشانی کے سائے تھے۔ لباس صاف ستھرا مگر شکنوں سے پُر تھا وہ ایک لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے چلے آ رہے تھے۔ سلمیٰ نے جا کر سلام کیا اور شہناز کے بارے میں پوچھا۔

UrduPhoto.com

"تم بھی دعا کرو بیٹی۔" اُن کی آواز بھرا گئی۔
"نانا! آپ گھر کیسے جائیں گے؟"
"چلا جاؤں گا بیٹی گھر اتنا۔ دور تو نہیں۔" شاید اُن کی جیب میں بس کا کرایہ بھی نہیں تھا۔
"آپ رکشا لے لیجیے گا۔" سلمیٰ نے پیسے یاسر کی طرف بڑھائے، مگر نانا نے انکار کر دیا اور یونہی اس کے قریب سے ہولے ہولے قدم اُٹھا کر چلتے اتحی کے قریب سے گزر کر گیٹ کراس کر گئے۔
"یہ شہنا ہے۔" جنرل وارڈ میں آکر سلمیٰ نے ایک نازک سی لڑکی کی جانب اشارا کیا۔
اُس کا رنگ پیلا ہو رہا تھا، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے، مگر اس کے باوجود اُس کا حسن نمایاں تھا۔ اُس کے چہرے پر شرافت کا نور تھا اور اُس کی غزالی آنکھوں پر پلکوں کی باڑ جھکی ہوئی تھی۔ وہ سر پر دوپٹا اوڑھے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔
"یہ غازی کی امّی ہیں شہنا۔" سلمیٰ کا اتنا کہنا تھا کہ کسی خوف کے تحت اُس کا رنگ سفید پڑ گیا۔
"تم نے بُلایا تھا میں ملنے آئی ہوں۔"
اُس کے چہرے پر کچھ تھا، ان کی آنکھوں میں ایسی بات تھی کہ اُسی کو لہجہ نرم رکھنا پڑا۔
"ہاں، میں نے آپ کو زحمت دی تھی۔ میں کچھ کہنا چاہتی ہوں آپ سے۔" اُس نے خشک لبوں پر زبان پھیر کر دھیرے سے کہا۔
"ہاں — ہاں تم کہو میں سن رہی ہوں۔"
"آپ اِدھر بیٹھ جائیں، میری بات بہت لمبی ہے۔" اُن کے نرم لہجے سے اب وہ پُرسکون تھی۔
"ہم جیسی لڑکیاں جن سے ان کی مائیں بچپن میں ہی جُدا ہو جاتی ہیں اور باپ دوسری شادی کر کے اولاد کو بھول جاتے ہیں، ہم یا تو معاشرے کے اشاروں پر چل کر خوار ہو جاتی ہیں یا پھر میری طرح سہم کر ایک کونے میں چُپ کر بیٹھ جاتی ہیں، مگر اتنا چھپنے کے باوجود ہم دُنیا کی نگاہ میں رہتی ہیں۔ ہر کوئی ہمیں ملازمہ سمجھتا ہے۔ کوئی محلے کی خالہ یا پھوپھی اپنے گھر کے کام کروانے کو جُوائے کی کوشش کرتی ہے تو کوئی مفت ہی اپنے کپڑے سلوا لیتی ہیں۔ کسی کے بچے پڑھنے آجائیں تو کوئی اون بُنوا

تھا دیتی ہے اور سب سے بڑھ کر محلے کا ہر لڑکا اس گھر کو بے گواڑ سمجھ کر اندر آنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں شریف خاندان کی شریف بیٹی تھی۔ اپنی عزت سے بڑھ کر مجھے کچھ نہیں تھا۔ میں محلے میں کہیں آتی جاتی بھی نہیں تھی۔ اور چونکہ گھر میں بوڑھے نانا کے علاوہ کوئی نہ تھا، ہر آئے گئے کے سامنے مجھے آنا پڑتا تھا تو میں گھر میں بھی چادر اوڑھے رہتی تھی اور میں ڈرتی رہتی تھی کہ کہیں ہر چہرے سے خوف آتا تھا۔ میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر نانا کی زندگی کی دعائیں مانگتی اور سوچتی، کاش میرے سر پر مضبوط سائبان ہوتا۔ میری زندگی میں عدم تحفظ کا یہ خوف نہ ہوتا۔ آپ سمجھ نہیں سکیں گی کہ وہ خوف کیسا تھا۔ اسے وہی جان سکتا ہے جس پر گزری ہو۔ میرا تو یہ حال تھا، اگر کوئی گلی سے گزرتے ہوئے کھانس رہا ہے تو دل گھبرانے لگتا ہے کہ شاید نیت ٹھیک نہیں اس کی۔ لڑکے اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر پتنگ — اُڑاتے تھے تو میں کمرے میں چُپ کر بیٹھ جاتی تھی۔ پھر آپ کے بیٹے نانا میاں کی طرف آنے جانے لگے۔ اُن کا انداز دوسروں سے جُدا تھا۔ انہوں نے مجھے تحفظ کا احساس دیا اور مجھے بہادری کا سبق بھی دیا۔ میں اُن سے بہت متاثر تھی اور رفتہ رفتہ محبت بھی کرنے لگی۔ پتا نہیں آپ اسے کن معنوں میں لیں گی، مگر میں سچ کہوں گی۔ میرے لیے اب پوری کائنات غازی ہی تھے۔ اُن کی باتیں، اُن کی تسلی، اُن کے وعدے۔ میں زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔ پھر جب انہوں نے ایک روز مجھ سے کہا کہ وہ کالج کے باہر مجھ سے ملنے آئیں گے تو میں نے انکار کر دیا۔ وہ ناراض ہو گئے اور کئی روز ہماری طرف نہیں آئے۔ مجھے اپنے اردگرد پھر سائے رینگتے ہوئے محسوس ہونے لگے اور بُری طرح ڈر گئی۔ غازی آئے تو میں پھر اُن کی بات ٹال نہیں سکی۔ میں مانتی ہوں مجھ سے غلطی ہوئی قصور ہوا۔ اچھی لڑکیوں کو یہ سب زیب نہیں دیتا۔ میں نے غازی کے ابّا سے وعدہ کیا ہے۔ اب کبھی نہیں ملوں گی اُن سے اور میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ آپ کو صرف اس لیے بُلایا ہے کہ خدا کے لیے میرے نانا پر رحم کریں، مجھے معاف کر دیں اور میرے خلاف وہ سب کچھ نہ کہیں جو ہے تو سچ ہے، مگر جس نے نانا کا سر جھکا دیا

ہے۔ آپ کا کچھ نہیں جائے گا۔ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ لڑکی ایسی نہیں ہے۔ قصور غازی کا بھی تھا۔ وہ مرد ہیں، انہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا، مگر میں یہ داغ لے کر نہ چین سے جی سکتی ہوں نہ مر سکتی ہوں۔ آپ مجھ پر احسان کر دیں۔ میں تا زندگی آپ کو دعائیں دوں گی۔ آپ کہہ دیں گی ناں لوگوں سے؟"
وہ بُری طرح رو رہی تھی اور غازی کی امّی کا دل کہہ رہا تھا۔
"غازی! تم نے بہت بُرا کیا اتنی اچھی لڑکی کے ساتھ بہت غلط ہوا۔"
"ہاں میں کہہ دوں گی آیندہ تمہارے خلاف کوئی بات نہیں کروں گی اور اگر کوئی میرے سامنے ایسا کرے گا تو اُسے بھی روک دوں گی، بس تم جلدی سے ٹھیک ہو کر گھر آجاؤ۔ نانا پریشان ہیں تمہارے لیے۔ میں آتی رہوں گی تمہارے پاس، تم بے فکر رہو اب کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔"
وہ جانے کے لیے اُٹھیں تو شہنا اتنا رونے کے بعد اب گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور آنکھیں موند رکھی تھیں۔
وہ چلی گئیں اور شہنا کی اُداس آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کہاں گئی تھیں آپ، میں اتنی دیر سے انتظار کر رہا تھا۔ اب تو فکر ہونے لگی تھی مجھے۔"
غازی صحن میں ہی ٹہل رہا تھا۔
"غازی! تم اپنے بھائی کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟"
وہ آج شہنا سے مل کر آئی تھیں اور سمجھ سکتی تھیں وہ آسانی سے بُھلائی جانے والی چیز نہیں، اس لیے چاہتی تھیں کہ غازی ملک سے باہر چلا جائے۔
"ہیں، یہ آپ کہاں سے رہی ہیں؟" اُن کی بات پر وہ حیران ہو کر بولا۔
"کام سے گئی تھی غازی! کہیں اور نہیں، تو اپنی چھوٹی خالہ کے ہاں شاہدرہ ہی ہو آؤ۔"
اب کے وہ اُن کے قریب آیا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے بولا۔
"اُکتا گئی ہیں مجھ سے؟"
"اسے بے وقوف امائیں بھی کبھی اولاد سے اُکتاتی ہیں، یہ تو اولاد ہی ہوتی ہے جو ماں باپ کی نافرمانی کرتی ہے، دُکھ دیتی ہے انہیں۔"
غازی نے سر جھکا لیا۔ وہ پھر کہنے لگیں۔
"تم چلے جاؤ، دل بہل جائے گا۔"
"دل تو اب کہیں نہیں بہلے گا اور آپ میری اتنی فکر نہ کیا کریں، کچھ نہیں ہو گا مجھے۔"
"کیسی باتیں کرتے ہو، خدا نہ کرے کہ تمہیں کچھ ہو۔"
جب سے وہ شہنا سے مل کر آئی تھیں، اُلجھی اُلجھی سی رہتی تھیں۔ دل میں اُس لڑکی کے لیے اچھے جذبات تھے۔ نماز میں اُس کی صحت کی دُعا بھی مانگتی رہیں، مگر دل اچھے جذبات رکھنے کے باوجود وہ نہیں مانتا تھا جو غازی چاہتا تھا کہ انہیں اسی دُنیا میں رہنا تھا اور وہ سر اُٹھا کر آبرو کے ساتھ جینا چاہتی تھیں۔
صبح ناشتا بنا رہی تھیں جب محلے کی ایک عورت چلی آئی۔
"اب کیا حال ہے غازی کا، اُس لڑکی کا بھوت سر سے اُترا یا نہیں؟"
اکثر عورتیں آتے ہی پہلا سوال یہ کرتی تھیں۔
"اُتر جائے گا۔" انہوں نے روزانہ کی طرح بیٹے کی طرف سے فکرمندی کا اظہار نہیں کیا۔
"کیسے اُتر جائے گا، کچھ کرو بہن! وہ لڑکی تو پوری جادوگرنی ہے، میرا سلو بتاتا ہے۔ گلی میں ایک دو بار اسے بھی پکار چکی ہے۔ ابھی کل ہی وہ ان کی گلی سے گزرا تو کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی پورے ہار سنگھار سمیت۔"
اس جھوٹ پر امّی کو غصہ آگیا۔ بولیں۔
"اچھا وہ کھڑکی سے جھانک رہی تھی، جبکہ میں تو ہسپتال میں اُس سے مل کر آرہی ہوں، بڑی بیمار ہے بے چاری۔"
"بیمار ہے، کیا ہوا؟"
خاتون کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی اور رازداری کے عالم میں پوچھنے لگیں۔
"شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کے لیے ذرا سی بات بھی بہت ہوتی ہے۔"
اب خاتون چونکیں اور بولیں۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"شریف خاندان کی بیٹی، کیا کہہ رہی ہو بہن؟"

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہوں مقصود میرے بیٹے کا بھی ہے، وہ لڑکی خواہ مخواہ بدنام ہو رہی ہے۔"

اب خاتون کا دل نہیں لگ رہا تھا، اُٹھ کر چلی گئیں۔

"کیسے کیسے الزام عورتیں ہی لوگ اور ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ لوگ کہانیاں بنا لینے میں ماہر ہوتے ہیں۔ معاف کرنا ہم جانتے ہی نہیں۔ اپنی غفلت کو رنگین بنانے کے لیے کیا کیا کہہ جاتے ہیں۔" امّی کو یقین تھا۔ یہ عورت محلے میں جا کر شہنا کی بیماری کا ذکر پُراسرار انداز میں کرے گی بے چاری لڑکی۔ انہیں آج غازی پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

انہوں نے تو بیٹے کو شہنا کی بیماری کے بارے میں نہیں بتایا مگر وہ محلے میں آتا جاتا تھا۔ صرف گھر میں قید نہیں تھا جو خبر نہ ہوتی۔ وہ سُنتے ہی پریشانی کے عالم میں اسپتال پہنچ گیا۔

"غازی بھائی آپ کس سے ملنے آئے ہیں؟" ملاقات یاسیہ سے ہو گئی۔

"تمہاری آپی سے، وہ ٹھیک تو ہیں ناں؟"

"نہیں آپی ٹھیک نہیں ہیں اور انہوں نے منع کیا ہے، وہ آپ سے نہیں ملیں گی۔ اگر آپ ملنے کے لیے گئے تو مجھے بہت ڈانٹ پڑے گی۔ آپ چلے جائیں یہاں سے، وہ آپ سے نہیں ملنا چاہتیں۔"

غازی نے ملاقات سے مایوس ہو کر شہنا کے نام خط لکھا اور ساتھ وہ رقم جو اُسے دینے کو وہ آیا تھا۔ اُسے احساس تھا یہ خرچ اُن کی برداشت سے باہر ہوں گے۔ خط میں یہ لکھ دی اور یاسر سے کہا کہ یہ خط ضرور اپنی آپی کو دے دینا۔

اور شام کو جب غازی کی امّی اُس سے ملنے گئیں تو اُس نے دیکھتے ہی کہا۔

"آپ آئیں گی یا نہیں؟"

امّی نے محسوس کیا۔ اس کی آنکھیں سُوجی ہوئی تھیں وہ [illegible]

"تم ٹھیک تو ہو ناں، میرا انتظار کیوں کر رہی تھیں

کچھ کہنا ہے مجھ سے؟"

جواب میں اس نے تکیے کے نیچے رکھا غازی کا خط اور رقم اُن کی جانب بڑھا دی۔

"یہ آپ کے بیٹے نے میرے نام لکھا ہے، رقم بھی آپ ہی کی ہے، وہ ملنے آئے تھے، مگر میں نے منع کر رکھا ہے میرے بھائی کو یہ خط اور رقم دے گئے۔ میں نے یہ خط پڑھا بھی نہیں ہے آپ کو دے رہی ہوں اُن سے کہہ دیں ایسا مت کریں، مجھے آرام سے مرنے تو دیں۔" وہ پھر رونے لگی۔

"نہیں بیٹی، یوں مایوسی کی باتیں نہیں کرتے، تم زندہ رہو گی۔"

"کیا فائدہ ایسی زندگی کا، لوگ دیکھ کر منہ پھیر لیا کریں گے اور باتیں بنائیں گے۔"

"تم لوگ کسی دوسری جگہ بھی تو جا سکتے ہو، وہاں تمہیں کوئی ایسی ویسی بات نہیں کرے گا۔"

امّی کی یہی خواہش تھی کہ وہ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔

اب شہنا کیا بتاتی کہ ہم کتنے مجبور ہیں۔ یہ ٹوٹا پھوٹا مکان ہی ہماری جائداد ہے اور تو کچھ بھی نہیں ہمارے پاس۔

"آج جو بھی عورت میرے پاس آئی میں نے کہہ دیا کہ قصور میرے ہی بیٹے کا تھا اور یہ بھی کہ ہم نے شہنا سے معافی مانگی ہے۔"

اُس نے بے یقینی کے عالم میں اُن کی جانب دیکھا۔

"ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں، تم دل پر نہ لو۔ لوگ پرانی کہانی سے جلد اُکتا کر کسی نئی کہانی کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ یہ بات بھی بہت جلدی پرانی ہو جائے گی۔ پھر جب میں ہی تمہاری تعریف کروں گی تو لوگ کیا کہہ سکیں گے۔"

"آپ نے میری بات رکھ لی۔ میں بہت شکر گزار ہوں آپ کی۔"

امّی باہر نکلیں تو غازی کو بے قراری کے عالم میں درختوں کی قطار کے قریب اِدھر سے اُدھر ٹہلتے ہوئے پایا۔

"غازی!" امّی نے پکارا۔

وہ ٹھٹک گیا۔

"امّی! آپ اور یہاں؟"

"ہاں میری ایک جاننے والی ہے یہاں، اُس سے ملنے آئی تھی، چلو تم میرے ساتھ چلو۔"

"نہیں امّی! میں بعد میں آ جاؤں گا، کچھ کام ہے مجھے۔"

"میں جانتی ہوں کیا کام ہے، مگر اتنا بتائے دیتی ہوں جس سے ملنے تم یہاں آئے ہو، وہ تم سے نہیں ملے گی۔ تمہارا لکھا ہوا خط اور یہ رقم اس نے واپس کر دی ہے اور خط پڑھا بھی نہیں ہے اُس نے۔ لو پکڑو اور اب چلو میرے ساتھ۔"

"آپ ملی ہیں اُس سے؟" غازی نے خط اور رقم واپس لے لی اور حال کی کیفیت سے ذرا اُبھر کر پوچھا۔

"نہیں، یہ خود ہی اس نے بھیج دیا تھا۔" وہ چھپا گئیں۔

رات گہری ہونے سے پہلے وہ ایک بار پھر سلمیٰ کی طرف گیا مگر وہاں تالا پڑا تھا۔ شاید وہ اسپتال شہنا کے پاس گئی تھی۔

اگلے روز شہنا گھر آ گئی اور اب تو محلے والے اُس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے اور اُس کے متعلق معمولی سی بات بھی ایک دوسرے کو بتائی جاتی تھی تو شام تک بھی پہنچ گئی تھی۔ اس کا مطلب ہے وہ اب پہلے سے بہتر ہے۔ اُن کے سر سے جیسے بوجھ اُتر گیا۔

وہ دوپہر کے لیے کھانا بنا رہی تھیں، جب پوسٹ مین خط ڈال گیا۔ انہیں کئی دن سے اکلوتی بیٹی بانو کے خط کا انتظار تھا۔ پوسٹ مین نے بیل دی تو یہی خیال آیا کہ شاید بانو کا خط ہوگا اور خیال غلط بھی نہیں تھا۔ خط واقعی بانو کا تھا، مگر جو کچھ اس میں لکھا تھا، اُن کے تو حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ ان کی اتنی باحیا بیٹی پر سسرال والے کیسا الزام دھر رہے تھے۔ قصور اپنی بیٹی کا تھا، مگر طریب بانو کے سر ڈالا جا رہا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

"دعا کریں میرا شوہر اپنی ماں اور بہنوں کی باتوں میں نہ آئے۔ میں ایسی بات اپنی ذات کے ساتھ منسوب ہوتے دیکھ کر ہی کٹ کے رہ گئی ہوں۔ شوہر کی نظروں سے گر کر زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ آپ میرے لیے دعا کریں۔"

بانو جیسی لڑکی پر الزام۔ وہ بانو جس کی تعریف سب کے منہ میں بھی ہوتی اور سسرال میں بھی جس کی نیکی اور پارسائی کی لوگ قسمیں کھاتے تھے۔ اُس بانو کو الزام دیا جا رہا تھا۔ امّی آنکھوں میں آنسو لیے اپنے کمرے میں آ گئیں، خط میز پر رکھا اور دوپٹے میں چہرا چھپا کر رونے لگیں۔ اتنے سنگدل لوگ ہیں، وہ خدایا میری بچی پر رحم کر، سنگدل لوگ، انہیں جیسے کچھ یاد آیا۔ وہ چونک گئیں۔ آنسو تھم گئے اور سر جھک گیا۔

بیٹیاں تو سب کی ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اتنے دنوں سے جو بات سوچتے ہوئے بھی وہ ہچکچاری تھیں دل حتمی میں نہیں تھا جب کہ دماغ کا فیصلہ یہی تھا۔ شہنا اچھی لڑکی ہے اگر ذات برادری نہیں تو کیا ہوا اُس کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں غازی برابر کا حصہ دار ہے مگر دل نہیں مان رہا تھا۔ آج سے پہلے کبھی غیر برادری کی لڑکی آئی ہے۔ اس خاندان میں آج سے پہلے کبھی ایسا ہوا کہ جس کے کردار کے بارے میں سارا محلہ باتیں بنا رہا ہو۔ وہ دُلہن بن کر اس خاندان میں اُترے، اب بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

مگر اب تو بات اپنی بیٹی کی تھی۔ اُس کی قسمت کا فیصلہ جیسے ان کے ہاتھ میں تھا۔ خدا نے آزمایا تھا انہیں۔ دل اب خود بخود ہی راضی ہو گیا۔ ذات برادری کی نہیں تو کیا ہوا، لوگ باتیں بنائیں گے تو لوگوں کا اور کام ہی کیا ہے۔ انہوں نے اُسی وقت جا کر غازی کے ابا کو فون کیا۔

"سوچ لو غازی کی ماں! کیا ہم اُس کا یہ قصور معاف کر کے اُسے وہ مقام دے سکیں گے جو ایک بہو کا ہوتا ہے۔"

"ہاں کم از کم میں اپنے بارے میں یہ بات یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ سچ پوچھو تو وہ لڑکی بہت اچھی ہے اور ہمارے بیٹے کی پسند ہے۔"

وہ تو جب سے اُس سے مل کر آئے تھے کچھ راضی ہی تھے، مگر امّی کی وجہ سے چُپ تھے۔

"میں آج ہی جا رہی ہوں اُن لوگوں کی طرف۔"

"اچھی بات ہے میں دُعا کروں گا۔"

جس وقت امّی شہنا کے گھر میں آئیں سلمیٰ بھی موجود تھی۔ نانا تخت پر بیٹھے تسبیح کے دانے گرا رہے تھے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

یا سر پر نہیں تھا اور شہناد یوار سے ٹیک لگائے فرشی دری پر بیٹھی جانے کیا سوچ رہی تھی۔ امّی سیدھی نانا کے پاس ہی آئیں اور بولیں۔

"جو کچھ ہوا میں اس پر شرمندہ ہوں۔ جتنا قصور شہنا کا تھا، اتنا ہی میرے غازی کا تھا، مگر سزا صرف اس لڑکی کو ملی۔ میں اب اس کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں میری اور غازی کے ابا کی یہ آرزو ہے کہ شہناد لہن بن کر ہمارے گھر آجائے، اگر آپ یہ رشتہ قبول کر لیں گے تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔"

نانا اتنی بڑی خوشی برداشت نہیں کر سکے، رونے لگے اور شہنا کو تو یقین ہی نہیں آیا وہ جیسے بیٹھی تھی، ویسے ہی بیٹھی رہی۔

امّی نے آگے آکر دوپٹا اس کے سر پر ڈال دیا، پھر پیشانی چومی اور گلے لگا لیا اور بولیں۔

"میں — میں خوش ہوں بہت خوش، خدا نے حالات ایسے کر دیے کہ میں ظلم کرنے سے بچ گئی۔ تم جیسی اچھی بیٹی کو گھر لا کر مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"امّی! میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟" جب گھر آکر ساری بات بتائی تو غازی اچھل ہی پڑا تھا۔

"ویسے امّی! اُن کا جواب تو آپ نے اچھی طرح سن لیا تھا ناں، نہ تو نہیں کی انہوں نے۔"

"بہری نہیں ہوں میں اور پھر مٹھائی بھی تو منگوائی۔ سلمیٰ نے چائے کے ساتھ۔ بہت اچھی لڑکی ہے سلمیٰ بھی۔ مصیبت کی اس گھڑی میں بڑا ساتھ دیا ہے اُس نے ان لوگوں کا۔"

"امّی! مٹھائی منگوا کر سارے محلے میں بانٹیں تاکہ سب کو پتا چل جائے۔"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں، مٹھائی بھی بانٹیں گے اور ایک ہفتے کے بعد دھوم دھام سے منگنی کریں گے۔"

"ایک ہفتے بعد کیوں؟" اس نے منہ بنایا۔

"تمہارے ابا کا نکاح نامہ ہو نا بھی تو ضروری ہے کہ نہیں اور پھر بانو سے بھی انہوں نے اگر اسکی ہے تو ضرور آجائے۔"

"امّی! منگنی کے کیا معنی ہیں، نہیں آنا چاہیے۔ میری منگنی کو دو روز رہ گئے تھوڑا ہوتی ہے۔"

اتنی ہنس پڑیں اور بولیں۔

"جاؤ تم جہانگیر کے گھر تو فوراً اطلاع دے کر آؤ۔ ایک وہی تو تھا جو ان حالات میں بھی شہنا کی طرفداری کرتا رہا۔"

منگنی سے ایک روز پہلے غازی کی بہن بانو آگئی تھی۔ بتا رہی تھی۔

"میرے شوہر نے پورا ساتھ دیا میرا اور کہہ دیا مجھے اپنی بیوی پر پورا بھروسا ہے۔ اللہ نے بہت کرم کیا ہے ہم سب پر۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"خالہ! آپ غازی بھائی کو سمجھائیں۔ مٹھائی کھاتے جا رہے ہیں، شہنا بھابی کی طرف کیلئے کر جائیں گے۔" ایک بچہ انہیں بلا رہا تھا۔

"غازی کی شکایت اس کے ابا سے کرو، میری نہیں سنتا یہ۔"

"بہن! کہاں ہو تم؟" جہانگیر کی امّی پکارتی چلی آ رہی تھیں۔

"آجاؤ آپا! اندر آجاؤ۔"

"اچھا! بیٹی آئی بیٹھی ہے، کیسی ہو بانو؟" انہوں نے اُسے گلے لگا لیا۔

"آؤ بیٹھو آپا۔"

"نہیں، میں بیٹھنے نہیں آئی۔ میں تو یہ کہنے آئی تھی اب تو پیر صاحب کی دعاؤں سے تمہارے گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں تو میرا تعویذ واپس کر دو مجھے۔"

"سلام خالہ!" غازی بھی چلا آیا۔

"وعلیکم! دیکھو تو اب کیسے چہرے پر بشاشت دوڑ رہی ہے۔ بھئی بڑا تنگ کیا ہے تم نے ماں کو۔"

"اچھا تو اپنا تعویذ لینے آئی ہیں، لے جائیے، آپ ہی کی امانت ہے۔" آج اسے بہت ہنسی آ رہی تھی۔ لڑکی کے ہاں انگوٹھی پہنانے جانا تھا امّی تیار تھیں اور بانو کو دیکھنے آئی تھیں۔

"شاباش ہے۔ تم ابھی ویسے ہی کھڑی ہو۔"

"امّی! میں نے شہنا کے بارے میں ایک بات سنی ہے۔" بانو کی آواز پر ٹیڑھیاں ڈال کر کے نیچے آتا غازی رک گیا اور اُن کی باتیں سننے لگا۔

بانو، شہنا کے بارے میں محلے والیوں کی کہی باتیں دہرا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"اگر وہ ایسی لڑکی ہے تو آپ نے رشتہ کیوں دیا غازی تو جذباتی ہو گیا ہے۔ آپ کو خیال کرنا چاہیے تھا۔"

"تم کیا سمجھتی ہو اپنے لاڈلے کے لیے میں نے کسی ایسی ویسی لڑکی کا انتخاب کیا ہوگا۔ ارے لوگ جل کر ایسی باتیں بناتے ہیں۔ میں اتنے عرصے سے یہاں رہ رہی ہوں، میں نے اس میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ وہ تو ہیرا ہے ہیرا۔ تم لوگوں کی بات پر کیوں یقین کرتی ہو، لوگ تو تمہیں بھی بخشنے پر آمادہ نہیں تھے۔"

"جی یہ تو ہے۔" بانو کو اعتراف کرنا پڑا۔

"اچھا جاؤ تیاری کرو، دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

بانو مطمئن ہو کر چلی گئی اور غازی، ماں کی عنایت کو دل ہی دل میں سراہتا ان کے قریب آگیا۔

"اپنی بیٹی سے بھی چھپائی یہ بات آپ نے۔" اُن کا ہاتھ پکڑ کر وہ کہہ رہا تھا۔

"ہاں وہ میری بہو بن کر اس گھر میں آئے گی اور کسی کی نظر میں میری بہو کے لیے حقارت ہو، میں قبول نہیں کر سکتی یہ بات ندیم اور اس کی بیوی کو بھی نہیں بتاؤں گی۔"

"آپ بہت اچھی، بہت پیاری، بہت عظیم ہیں۔" غازی کے انداز میں پیار اور فخر تھا۔

"نہیں، میں بھی ایک عام سی عورت ہوں۔ خدا کو شہنا پر رحم آگیا ہے۔ اس کے نانا کی دعائیں کام آگئیں اور میں ایسا فیصلہ کیے بغیر رہ نہیں سکی۔"

جہانگیر آوازیں دے رہا تھا۔ غازی چلا گیا۔

"بیٹی خدا کی رحمت ہے۔ اس کا وجود باعث راحت ہے۔ یہ بڑے بڑے متکبر لوگوں کا سر عجز سے جھکا دیتی ہے۔ میرے اس فیصلے کے پیچھے بھی بانو کتنی مجھے بیٹی کے دکھ کا احساس ہی شہنا کے دکھ کے قریب لایا تھا۔ میں اپنی بیٹی کی ویرانی کے خیال سے لرز گئی تھی اور تب ہی مجھے شہنا کے اجڑے دل کا احساس ہوا۔ مجھے خیال آیا کہ میں ظلم کر رہی ہوں۔"

"امّی! جہانگیر بھائی کہہ رہے ہیں مجھے اور شہنا کو ساتھ بٹھا کر تصویریں ضرور بنائیں گے۔"

"خالہ! یہ میں نہیں کہہ رہا، غازی کی اپنی ہے۔"

پھر شاید غازی نے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ انہیں تو کمرے سے صرف اُن کی آواز ہی آ رہی تھی۔

"ہیں امّی! بھائی بہت ضد کر رہا ہے، پھر بنوا لیں تصویریں۔"

"خالہ! میں —!" مگر پھر آواز گھٹ گئی۔

غازی شور کر رہا تھا۔

امّی کو ہنسی آ رہی تھی اور وہ ان دونوں کی خوشیوں کے لیے دُعا گو تھیں۔

"بہن! دیکھو تو کون آیا ہے۔" جہانگیر کی امّی زیبا کے ساتھ چلی آ رہی تھیں۔

"یہ خالہ کس کو لے آئی ہیں؟"

"کہیں کوئی پیر صاحب تو نہیں آگئے!" غازی دیکھنے کو باہر لپکا۔

"ارے! آپ تشریف لائی ہیں۔ جہانگیر بھائی! او جانو بھائی! جلدی سے باہر آؤ۔"

"دیکھو تو آج کیسے چہک رہا ہے۔" خالہ نے مذاق اُڑایا۔ زیبا اور جہانگیر ہنسنے لگے۔

"خالہ! یہ گھڑی بڑی ہی دعاؤں کے بعد آئی ہے۔" وہ کچھ سوچ کر سنجیدہ ہو گیا۔

"چلو اب اگر فائدہ تو ہوگا شہنا کو، تمام عمر اس کی مرضی پر چلو گے۔ اپنی کر کے تو انجام دیکھ لیا ہے تم نے۔"

"بنے ایک بار آ تو جائے میرے آنگن، پھر دیکھنا کس کی چلتی ہے، کیا کیا منواتا ہوں میں اس سے۔"

"تمہارے ابا آ رہے ہیں۔" جہانگیر نے بروقت اطلاع دے کر اُسے شرمندہ ہونے سے بچا لیا۔ اب وہ گردن پر سر جھکائے نظر نیچی کیے باغیرہ صورت بنا کر بیٹھا تھا۔ ابا اس سعادت مندی پر خوش ہوتے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں پھر بیٹھک میں چلے گئے۔

زیبا اور جہانگیر کی ہنسی نہیں تھم رہی تھی اور ابا کی سمجھ میں ان کی ہنسی نہیں آ رہی تھی۔ وہ حیران تھے اگر غازی سر جھکائے شرمیلے انداز میں بیٹھا ہے تو اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے اور غازی سوچ رہا تھا۔ جب شہنا کو برابر میں لا کر بٹھائیں گے تو ہوتے ہوتے کیا باتیں کرتی ہیں اور کس طرح سب سے نظر بچا کر اُسے دیکھتا ہے لوگ شور مچاتے رہیں مگر چاند چہرے کو میں نہ دیکھوں یہ منظور نہیں۔

UrduPhoto.com